نصرة

شہادت امام حسین بن علیؓ

محمد علی جوہر: خلافت اور ارضِ مقدس فلسطین کے محافظ

بھارت کی کمزوری مسلمانوں کیلئے موقع ہے

جمہوری نظام میں ووٹ ڈالنا حرام ہے

اے مسلمانو! تم رفح کراسنگ، غزہ اور پورے فلسطین میں یہودیوں کے جرائم کا مشاہدہ کر رہے ہو اور تمہارے حکمران مدد کے لئے فوج نہیں بھیج رہے

بلکہ وہ اپنی ریڈ لائن ہی بھول چکے ہیں اور امریکہ اور اس کے حواریوں کی ثالثی پر مطمئن ہو بیٹھے ہیں!

محرم–صفر 1446ھ | جولائی–اگست 2024ء

شمارہ-79

فہرست

اداریہ 3

تفسیر سورۃ البقرۃ۔(261-262) 6

شہادت امام حسین بن علیؓ سے حاصل ہونے والا سبق 10

محمد علی جوہر : خلافت کے نگہبان اور ارضِ مقدس فلسطین کے محافظ 14

"شرک کے مسئلے" کے بارے میں، ایک ملحد کے ساتھ گفتگو! 18

چین کو محدود کرنے میں بھارت کی کمزوری پاکستان، ایران اور افغانستان کے مسلمانوں کیلئے موقع ہے! 25

پوری مسلم تاریخ میں مسلم فوجی کمانڈروں نے سخت حالات میں جنگوں کے پانسے پلٹے ہیں، تو کہاں ہیں آج ان کے معزز جانشین؟ 29

احساسِ ندامت 32

اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل "امریکہ کی جیب میں ہے"۔ یہ امریکی مفادات اور یہودیوں اور کافر استعماری قوتوں کے مفادات کے تحت چلتی ہے 37

صدی کے محض چوتھائی عرصہ میں ہی، دنیا کی تقریباً نصف سے زائد آبادی کو قحط سالی کا خطرہ لاحق ہے! 43

سوال وجواب: مسلمان ممالک میں موجودہ حکومتوں کی افواج میں شمولیت رکھنا اور ان کے ساتھ تعلق رکھنا 49

سوال وجواب: جمہوری نظام میں ووٹ ڈالنا حرام ہے 53

سوال کا جواب: کھلے عام کلمۂ حق بلند کرنا 64

میڈیا پیغام:: 11 مئی 2012 سے، ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کے ترجمان، نوید بٹ جبری گمشدہ ہیں کیونکہ وہ خلافت راشدہ کے داعی ہیں 69

اداریہ

اپریل 2024 کو شروع ہونے والے انتخابی عمل کے آخری مرحلے میں یکم جون 2024 کو ہندوستانیوں نے ووٹ ڈالے۔ مودی حکمران نیشنل ڈیموکریٹک الائنس (NDA) حکومت کے موجودہ وزیر اعظم ہیں، جس کی قیادت ان کی پارٹی بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کر رہی ہے۔ حزب اختلاف کے اتحاد انڈین نیشنل ڈیولپمنٹل انکلوسیو الائنس (I.N.D.I.A) کی قیادت ہندوستان کی سب سے بڑی اپوزیشن جماعت انڈین نیشنل کانگریس کر رہی ہے، جس نے ماضی میں کئی دہائیوں تک حکمرانی کی جب تک کہ سیاست میں بی جے پی کو عروج حاصل نہیں ہوا تھا۔

مودی کی انتخابی سیاست ان کے پورے سیاسی کیریئر میں مسلمانوں کے خلاف فرقہ وارانہ نفرت کو ہوا دینے پر منحصر رہی ہے۔ جب 2002 میں گجرات کے وزیر اعلیٰ نریندر مودی تھے تو اُس کے سامنے دو ہزار سے زائد مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا تھا۔ یکم مارچ 2002 کو، قتل و غارت گری کے عروج پر مودی نے زور دے کر کہا تھا کہ، "ہر عمل کا ایک برابر اور مخالف رد عمل ہوتا ہے (ہر کریا کی پرتیگریہ ہوتی ہے)۔ اس کے بعد، بطور وزیر اعظم اس کے دورِ اقتدار میں مساجد کو تباہ، مسلمانوں کے گھروں کو مسمار اور مسلم کمیونٹیوں پر بڑے پیمانے پر حملے ہوتے رہے۔

مودی کی بی جے پی فرقہ وارانہ نفرت کو ہندوستان میں دولت کے بے پناہ تفاوت اور شدید غربت کو چھپانے کے لیے استعمال کر رہی ہے۔ 2023 کے گلوبل ہنگر انڈیکس میں، یہ بتایا گیا ہے کہ، "GHI 2023 کا حساب لگانے کے لیے کافی ڈیٹا کے ساتھ 125 ممالک میں ہندوستان 111 ویں نمبر پر ہے۔ 2023 کے گلوبل ہنگر انڈیکس میں 28.7 کے اسکور کے ساتھ، ہندوستان میں بھوک کی یہ سطح ہے جو کہ سنگین ہے" [1]۔ جہاں تک امیر اور غریب کے درمیان فرق کا تعلق ہے، 12 مارچ 2024 کے تحقیقی مقالہ، جس کا عنوان تھا، "ہندوستان میں آمدنی اور دولت کی عدم مساوات، 1922-2023: ارب پتی راج کا عروج"، اس بات پر روشنی ڈالتا ہے کہ عدم مساوات "2000 کی

دہائی کے اوائل سے بڑھنا شروع ہوئی اور آسمان کو چھو رہی ہے"۔ جبکہ 2022-23 تک، سب سے اوپر 1 فیصد آمدنی اور دولت رکھنے والے (بالترتیب 22.6 فیصد اور 40.1 فیصد) اپنی بلند ترین تاریخی سطح پر ہیں اور سب سے اوپر ایک فیصد آمدنی رکھنے والوں کا کل ملکی دولت میں حصہ دنیا کے کسی بھی دوسرے ملک سے بڑھ کر ہندوستان میں ہے"[2]۔

اگرچہ حزب اختلاف کا اتحاد غریبوں کے مسائل کے حوالے سے مودی کی ناکامی اور اقلیتوں پر اس کے ظلم و ستم کی تاریخ پر اپنی انتخابی جیت کی امید رکھ رہا ہے، لیکن اس کی امید کے پورا ہونے کے امکانات بہت کم ہیں۔ تقسیم کی سیاست کے علاوہ مودی کو امریکہ کی مکمل بیرونی حمایت حاصل ہے۔ مودی کا طرز عمل نیتن یاہو کے عمل سے کچھ ملتا جلتا ہے، اور بائیڈن انتظامیہ مودی کے جبر کی مذمت نہیں کرتی، اور مودی کو مسلمانوں کے خلاف اپنی جنگ جاری رکھنے کے لیے کافی گنجائش فراہم کرتی ہے۔

20 مئی 2024 کو، جب امریکی محکمہ خارجہ کے ترجمان، مارک ملر سے نیویارک ٹائمز کی ایک تحقیقاتی رپورٹ کے بارے میں پوچھا گیا جس کا عنوان تھا "اپنی سرزمین میں اجنبی: مودی کے ہندوستان میں مسلمان ہونا"، جس میں بتایا گیا ہے کہ مسلمان اپنے خاندانوں اور بچوں کو خوف اور غیر یقینی صورتحال کے ساتھ کیسے پالتے ہیں، اُس نے جواب دیا، "ہم نے تمام مذہبی برادریوں کے ساتھ یکساں سلوک کی اہمیت پر ہندوستان سمیت بہت سے ممالک سے رابطہ میں ہے"[3]۔

یقیناً مودی نے خطے میں اہم امریکی مفادات کو محفوظ بنا کر امریکیوں کی حمایت حاصل کی ہے۔ اپنے ملک میں انتہائی غربت اور سماجی ہم آہنگی کے فقدان کے باوجود، مودی نے چین کے ساتھ امریکی مفادات کو محفوظ بنانے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے بھارت کو چین کے ساتھ ایک مہنگے تصادم میں ڈال دیا ہے۔ امریکی پالیسی کے مطابق، اور پاکستان کی قیادت میں امریکی ایجنٹوں کے ساتھ ہم آہنگی کے ساتھ، مودی چین کے خلاف ایک علاقائی بلاک بنانے کے لیے سرگرم عمل ہے، جس میں بھارت ایک سربراہ اور پاکستان ایک ماتحت جونیئر ہے۔ اپنی طرف سے پاکستان کے

حکمران لفظوں کی جنگ کے باوجود مودی کے ساتھ ہاتھ جوڑ کر کام کر رہے ہیں۔اس طرح، پاکستان کے حکمرانوں نے افواجِ پاکستان کو روک دیا، جب اگست 2019 میں مودی نے مقبوضہ کشمیر کا زبردستی الحاق کر لیا، یہاں تک کہ جہاد کو غداری قرار دے کر، کشمیر کے مجاہدین کی پیٹھ میں چھرا گھونپا،اور بزدل ہندو ریاستی فوج کو بہت زیادہ ریلیف فراہم کیا۔ پاکستان کے حکمران اب پاکستان اور افغانستان کے مشترکہ قبائلی علاقوں میں مسلمانوں کے ساتھ ایک طویل جنگ میں پاکستانی فوج کو پھنسا رہے ہیں، جس سے بھارت کو مزید ریلیف مل رہا ہے۔توقع ہے کہ انتخابات کے بعد، امریکی ایجنٹ مودی، پاکستان میں امریکی ایجنٹوں کے ساتھ، اقتصادی تعلقات کو معمول پر لائے گا۔

اے پاکستان، افغانستان، ہندوستان اور کشمیر کے مسلمانو! مودی کے ظلم اور مسلمانوں اور اسلام کو دبانے کے امریکی منصوبے کو روکنے کی ذمہ داری ہم پر ہے۔ باطل اور گمراہ لوگوں کے لیے ہم کیوں اپنے دین کی خلاف ورزی کریں، اپنی ناقابل تسخیر مقدسات کو سرنڈر کریں، اور ان کے لیے راہ ہموار کریں؟ ہم ایک معزز لوگ ہیں جو ایک قابل ذکر میراث رکھتے ہیں۔ یہ ایک اسلامی میراث ہے جو خلافت راشدہ کے وقت شروع ہوئی، اور برصغیر پاک وہند میں اسلام کے غلبہ پر منتج ہوئی۔ یہ اسلام کی حکمرانی کا دور تھا کہ عالمی معیشت میں برصغیر پاک وہند کا حصہ 23 فیصد تھا، جتنا کہ پورے یورپ کو ملایا جائے، اور نگزیب عالمگیر کے زمانے، 1700 عیسوی میں، یہ حصہ بڑھ کر 27 فیصد ہو گیا تھا۔ صدیوں کی اسلامی حکمرانی نے خطے کے باشندوں کے لیے خوشحالی اور سلامتی کو یقینی بنایا، خواہ وہ کسی بھی نسل یا مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، اور اسلامی حکمرانی نے خطے کے لوگوں کی، ہندوؤں سمیت، وفاداریاں حاصل کیں۔ درحقیقت اسلامی دور ایک سنہری دور تھا جس نے باقی دنیا پر اپنی روشنی ڈالی، جس کے باعث لالچی استعماری طاقتوں کی ناپسندیدہ توجہ ہندوستان پر مبذول ہوئی، جنہوں نے "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کے فرقہ وارانہ تقسیم کے بیج بوئے۔ لہٰذا آئیے ہم سب مل کر نبوت کے نقش قدم پر خلافت کو دوبارہ قائم کرنے کے لیے پوری جانفشانی سے کام کریں تاکہ برصغیر پاک وہند دوبارہ اسلام کے زیر سایہ سر اٹھا سکے۔

فہرست

تفسیر سورۃ البقرۃ-(261-262)

جلیل القدر عالم دین شیخ عطاء بن خلیل ابو الرشتہ کی کتاب "التیسیر فی اصول التفسیر" سے اقتباس

﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (261) الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لاَ يُتْبِعُونَ مَا أَنفَقُوا مَنًّا وَلاَ أَذًى لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ (البقرة: 262) ﴾

"جو لوگ اللہ کے راستے میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ سات بالیں اگائے (اور) ہر بال میں سو دانے ہوں۔ اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے (ثواب میں) کئی گنا اضافہ کر دیتا ہے۔ اللہ بہت وسعت والا (اور) بڑے علم والا ہے (261)۔ جو لوگ اپنے مال اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتلاتے ہیں اور نہ کوئی تکلیف پہنچاتے ہیں، وہ اپنے پروردگار کے پاس اپنا ثواب پائیں گے؛ نہ ان کو کوئی خوف لاحق ہو گا اور نہ کوئی غم پہنچے گا"۔ (262)

ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ قرآن کریم کے اس پارے کا آغاز ایمان اور کفر کے موضوع سے ہوتا ہے جیسا کہ اس پارے کی ابتدائی آیات میں آیا ہے: **﴿وَلَكِنْ اخْتَلَفُوا فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوا وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ﴾ (البقرة: 253) "لیکن انہوں نے خود اختلاف کیا، چنانچہ ان میں سے کچھ وہ تھے جو ایمان لائے، اور کچھ نے کفر اپنایا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے، لیکن اللہ وہی کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے"۔** اس کے بعد اللہ جل شانہ اس کی طرف سے عطا کیے گئے رزق میں سے خرچ کرنے کے فرض کا ذکر فرماتے ہیں۔

اس کے بعد پھر ایمان اور اہل ایمان کے تذکرے سے آیتیں شروع ہوتی ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کا کارساز اور ولی ہے اور یہ کہ کفار کے ولی طاغوت ہیں۔ اس کے بعد ایمان اور فوت شدہ کی دوبارہ زندگی کی دلائل ذکر کیے گئے ہیں۔

اس کے بعد، اللہ تعالیٰ ان دو آیات کریمہ میں خرچ کرنے کے بارے میں ذکر فرماتے ہیں، یہ دوسرا موضوع ہے جو قرآن کریم کے اس پارے کے آغاز میں آیا ہے۔

1۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی حالت بیان فرماتے ہیں جو اس کے راستے میں یعنی جہاد میں خرچ کرتے ہیں، فی سبیل اللہ سے جہاد مراد لینے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا ذکر آیا ہے، اس سے مراد جہاد میں خرچ کرنا ہوتا ہے، جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا۔ تو اللہ سبحانہ ان خرچ کرنے والے مسلمانوں کی شان بیان فرماتے ہیں کہ ان کا کام بڑا شاندار ہے، وہ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں، اس کا اجر ان کو کئی گنا دیا جاتا ہے، سات سو گنا تک بلکہ مزید کئی گنا تک دیا جاتا ہے جس کی انتہا سوائے اللہ سبحانہ کے کوئی نہیں جانتا۔ اس لیے فرمایا: ﴿ **وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ** ﴾ **"اللہ بہت وسعت والا (اور) بڑے علم والا ہے"**۔

﴿ **أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ** ﴾ **"جو سات بالیں اگائے ہر بال میں سو دانے ہوتے ہیں"**۔ یہ دگنا کر دینے کی ایک مثال ہے گویا دیکھنے والے کے سامنے موجود ہے، اس کو کہتے ہیں: عقلی چیز کو محسوس اشیا کے ساتھ تشبیہ دینا، یعنی اجر دگنا ہونے کی تشبیہ کھیتی کے دگنے فصل کے ساتھ دی گئی ہے۔

﴿ **سُنْبُلَةٍ** ﴾ القاموس میں آیا ہے: یہ سین کے ضمہ کے ساتھ **سنابل** کا مفرد ہے، عرب کہتے ہیں: **سَنبَلَ الزرعُ** (کھیتی نے خوشے دیے) اس کا مطلب ہے کہ اس میں نون اصلی ہے، اس سے فعل **سَنبَل** آتا ہے جس کا وزن **فَعلَلَ** ہے یعنی رُباعی ہے، چنانچہ سُنبُلة کا وزن (فُعلُلَةٌ) ہے۔

چونکہ دانہ اُگانے کا فقط ایک سبب ہے، اور حقیقت میں اگانے والا اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا دانے کی طرف اُگانے کی نسبت مجازی ہے۔

ہم نے اس آیت کریمہ میں خرچ کرنے کے حوالے سے یہ عرض کیا تھا کہ اس سے مراد جہاد میں خرچ کرنا ہے، اس کی تائید رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے ہوتی ہے جس کو متعدد صحابہ کرامؓ نے روایت کیا ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَن اَرسَل بِنَفَقةٍ فِي سَبيلِ الله و اَقَام في بيتهِ فَلَه بِكُلّ دِرهَمٍ سبعُ مائةِ دِرهمٌ و من غزا بنفسه في سبيل الله و اَنفَقَ في وجه ذلک فله بکل درهمٍ سبعُ مائةِ درهمٍ ثُمَّ تلاَ هذه الآيةَ وَ اللهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَّشَآءُ» ”جس نے اللہ کے راستے میں اپنا خرچ بھیج دیا اور وہ اپنے گھر میں رہا تو اس کو ہر درہم کے بدلے سات سو درہم کا اجر ملے گا اور جو اللہ کے راستے میں لڑے اور خرچ بھی کرے تو اس کو ہر درہم کے بدلے سات لاکھ درہم کا ثواب ملے گا“۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿وَ اللهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَّشَآءُ﴾ ”اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے دگنا کر دیتا ہے“۔

﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾، (وَاسِعٌ) کے معنی اپنے بندوں کو زیادہ ثواب دینے والا اور عطا کرنے والا۔ (عَلِيمٌ) خرچ کرنے والے کی نیت اور خرچ میں اس کے اخلاص سے باخبر۔

2۔ اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آیت کریمہ میں اس کے راستے میں خرچ کرنے والے کا اجر ذکر فرمایا، نص میں اگرچہ ہر خرچ کرنے والے کے بارے میں عام وارد ہوا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے؛ ﴿الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ﴾ اس آیت کریمہ میں گزشتہ آیت کی تخصیص کی گئی ہے، وہ تخصیص یہ ہے کہ مذکورہ اجر اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والے مخصوص افراد کے لئے ہے، وہ لوگ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو اس کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں نہ ہی اذیت دیتے ہیں۔ یعنی ان کا خرچ کرنا خالص اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا جوئی کی خاطر ہوتا ہے۔ انہی لوگوں کے لیے بڑا اجر ہے، وہ نہ تو اپنے مستقبل کے بارے میں ڈریں گے اور نہ ہی رہ جانے والی حیاتِ دنیا کی وجہ سے غمگیں ہوں گے، ان کے لئے مکمل امن ہے: آئندہ کی عمدہ اور خوشگوار زندگی اور گزشتہ زندگی میں ہوئے گناہوں کی مغفرت ﴿لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ ”ان کے رب کے پاس ان کے لیے اجر و ثواب ہے اور انہیں نہ کوئی خوف ہو گا نہ ہی وہ غمزدہ ہوں گے“۔

﴿الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ﴾ ”وہ لوگ جو اللہ کے راستے میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں“ یعنی جہاد میں۔ ﴿ثُمَّ لاَ يُتْبِعُونَ مَا أَنفَقُوا مَنًّا وَلاَ أَذًى﴾ (منّ) کے اصل معنی کاٹنے کے

ہیں، اسی سے (حبل منین) یعنی کمزور رسی جو کٹنے جا رہی ہو۔ یہاں یہ خرچ کرنے میں دکھلاوے اور فخر سے کنایہ ہے۔

جہاں تک لفظ ﴿أَذًى﴾ کی بات ہے تو یہ خرچ کرنے والے کی طرف سے بُرا رویہ رکھنا ہے، اور یہ اس کو مطلوبہ مقصد حاصل نہ ہونے پر سامنے آتا ہے، مثلاً وہ جنگ کے لئے سامان دے یا پیسے دے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ریاست اس کی طرف سے دی جانے والی امداد کو مجاہدین کے سامنے ظاہر بھی کرے، اگر ریاست ایسا نہیں کرتی ہے تو وہ بددل ہو جاتا ہے اور ناراض ہو کر بُرا رویہ اختیار کر لیتا ہے۔

اور آیت میں وصف مفہم کے ذریعے جس تخصیص کا ذکر ہے یعنی ﴿ثُمَّ لاَ يُتْبِعُونَ مَا أَنفَقُوا مَنًّا وَلاَ أَذًى﴾ اس سے اللہ کے راستے میں خرچ میں مکمل اخلاص اپنانے کو بیان کرنا مقصود ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس خرچ کو مقبولیت حاصل ہو جائے۔ اور ایسے ہی خرچ پر اللہ کے ہاں اجر بھی پورا پورا دیا جاتا ہے، یہ اخلاص ہی ہے جس کی وجہ سے خرچ خالص اللہ کے لئے اور ہر قسم کے احسان جتلانے یا ایذا رسانی کے رویے سے مکمل طور پر پاک صاف اور مبرا ہوتا ہے۔

تب ان کو وہ عظیم اجر دیا جاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے لئے تیار کر رکھا ہے، ارشاد ہے ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ”آگاہ رہو، اللہ کے ولیوں پر نہ کوئی خوف ہو گا نہ وہ غمگیں اور افسردہ ہوں گے“۔ (سورہ یونس: 62)

فہرست

شہادت امام حسین بن علیؓ سے حاصل ہونے والا سبق

مصعب عمیر، پاکستان

محرم کے مہینے میں مسلمان امام حسین بن علیؓ کی المناک شہادت کو یاد کرتے ہوئے غمگین ہوتے ہیں اور ان کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ فرقہ وارانہ تنازعات اور انتشار سے دور، امام حسینؓ کی شہادت تمام مسلمانوں کے لیے ایک اہم سبق ہے، خواہ وہ کسی بھی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہوں۔ اور وہ سبق یہ ہے کہ جب ان پر کوئی غیر شرعی طریقے سے حکمرانی حاصل کرلے، جس نے طاقت کے ذریعے حکمرانی پر قبضہ کیا ہو تو انہیں مضبوط موقف اختیار کرنا چاہیے۔ مسلمانوں کو شرعی طریقے سے نصب کردہ حکمران خلیفہ کی بحالی کی جدوجہد کرنی چاہیے کہ جس کے ذریعے اسلام کی حکمرانی بحال ہو جائے، چاہے وہ اس جدوجہد میں شہید کر دیے جائیں۔

خلیفہ کو بیعت رضامندی اور آزادانہ چناؤ کے بعد دی جاتی ہے، اور وہ مسلمانوں پر اسلام کے ذریعے حکومت کرتا ہے

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہؐ کو فرماتے سنا، **وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً "اور جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ اس کی گردن میں (خلیفہ کی) بیعت نہیں تو وہ جاہلیت کی سی موت مرا۔"** (مسلم)۔ امام جزیری (سنِ وفات 1360 ہجری) اپنی تصنیف 'الفقہ علی المذاھب الاربعۃ' میں بیان کرتے ہیں، اتفق الأئمة رحمهم الله تعالى على أن الإمامة فرض وأنه لا بد للمسلمين من إمام يقيم شعائر الدين وينصف المظلومين من الظالمين وعلى أنه لا يجوز أن يكون على المسلمين في وقت واحد في جميع الدنيا إمامان لا متفقان ولا مفترقان... "آئمہ مجتھدینؒ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امامت (خلافت) فرض ہے اور مسلمانوں کے لیے ایک امام (خلیفہ) کا ہونا ضروری ہے جو دین کے شعائر کو قائم کرے اور ظالموں سے مظلوموں کو انصاف دلائے۔ اس پر بھی

آئمہ کا اتفاق ہے کہ دنیا بھر میں ایک ہی وقت میں دو اماموں کا ہونا جائز نہیں خواہ یہ باہمی اتفاق کی بنا پر ہو یا اختلاف کے نتیجے میں ہو۔"

درحقیقت، مسلمانوں پر ایک شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ ان کا ایک امام ہو جو اسلام کے مطابق ان پر حکومت کرے۔ ایک شخص کی بطور امام تقرری، مسلمانوں کی جانب سے اسے منتخب کرنے کے بعد اسے رضامندی کے ساتھ بیعت دے کر ہوتی ہے۔ جو شخص شرعی بیعت کے علاوہ کسی اور طریقے سے اقتدار میں آتا ہے وہ غاصب ہے۔ خلیفہ سے بیعت دوسرے معاہدوں یا عقود کی طرح ہے، جیسے کہ نکاح کا عقد۔ جس طرح عورت سے اس کی مرضی کے خلاف شادی نہیں کی جاسکتی اسی طرح بیعت کا معاہدہ رضامندی اور اختیار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

جس نے اقتدار پر قبضہ کیا وہ شریعت کی نظر میں جائز حکمران نہیں ہے

جس نے اقتدار پر قبضہ کیا وہ اُس وقت حکمران نہیں تھا کہ جب اُس نے اِس گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا۔ اُس پر اُس شخص کا حکم لاگو ہوتا ہے جس نے کسی بھی معاملے میں غاصب کا کردار ادا کیا ہو، خواہ وہ مال ہو، یا زمین، یا اقتدار۔ صائب بن یزید نے اپنے والد سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **لَا يَأْخُذَنَّ أَحَدُكُمْ مَتَاعَ صَاحِبِهِ جَادًّا وَلَا لَاعِبًا وَإِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ عَصَا صَاحِبِهِ فَلْيَرْدُدْهَا عَلَيْهِ "تم میں سے کوئی اپنے ساتھی کے مال کو نہ سنجیدگی سے لے اور نہ ہی مذاق میں۔ اور اگر تم میں سے کسی کو اپنے ساتھی کا عصا ملے تو اسے واپس کرنا ہوگا۔"** (احمد)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِنْ الْأَرْضِ ظُلْمًا فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ "جس نے ایک ہاتھ زمین ناحق لے لی تو اسے قیامت کے دن سات زمینوں سے گھیر لیا جائے گا"** (بخاری)۔ امام شوکانی نے " نیل الأوطار " میں غصب کرنے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: وأحاديث الباب تدل على تغليظ عقوبة الظلم والغصب وأن ذلك من الكبائر "اس موضوع سے متعلق احادیث ناانصافی اور غصب کی شدت پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ عمل کبیرہ گناہوں میں سے ہے"۔

امام حسینؓ نے اقتدار پر قبضہ کرنے والے کو مسترد کیا

جب امیر معاویہ کا انتقال ہو گیا اور یزید نے طاقت کے زور پر حکومت سنبھالی تو صحابہ کرامؓ نے اُس کی حکومت کو رد کر دیا۔ یزید نے اقتدار پر قبضہ کر لیا تھا، اور امت کو رضامندی اور اختیار کے ساتھ بیعت دینے کے حق سے انکار کیا تھا۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ میں یزید کی ناجائز حکومت کو رد کر دیا۔ حسین بن علیؓ کو اہل عراق نے دعوت دی تاکہ ان کو ایک جائز خلیفہ کے طور پر بیعت دیں۔ ظالم یزید اپنے گناہ کبیرہ سے باز نہ آیا اور مسلمانوں سے جنگ چھیڑ دی۔ حرہ کی جنگ ہوئی جس میں رسول اللہ ﷺ کے اسّی (80) صحابہ کرامؓ شہید ہوئے اور اس جنگ کے نتیجے میں زمین بدری صحابہ سے خالی ہو گئی۔ کہا گیا کہ قریش اور انصار میں سے سات سو یا ایک ہزار سات سو بھی مارے گئے۔ اس جنگ میں دس ہزار غیر عرب اور تابعین بھی مارے گئے، جبکہ عورتیں اور بچے اس کے علاوہ تھے۔ یہ تھی وہ صورتحال جس کا صحابہ کرامؓ نے سامنا کیا جب انہوں نے یزید کی ناجائز حکومت کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ وہ خاموش اور مطیع نہیں رہے، اور نہ ہی وہ اپنی روزمرہ کی زندگی ایسے گزار رہے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

اے مسلمانو اور خصوصاً اہل اقتدار!

تمام نسلوں سے افضل صحابہؓ کا یہ طرز عمل تھا! انہوں نے سخت موقف اختیار کیا کہ مسلمانوں کی جانب سے ایک شخص کو خلیفہ کے منصب کے لیے چُنے جانے کے بعد آزادانہ بیعت دینے، کے شرعی تقاضے کو پورا کرنا ضروری ہے۔ تو آج جب مسلمانوں کا کوئی خلیفہ نہیں ہے جو کہ شرعی بیعت کے ذریعے مقرر کیا گیا ہو، تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟! آج اس بات کو ایک سو ہجری سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے کہ ایک خلیفہ نے ہم پر اسلام کے ذریعے حکومت کی تھی۔ ہمیں کیسا ہونا چاہیے، جب اقتدار پر قبضہ کرنے والے حکمران بنے بیٹھے ہوں، اور وہ کفر، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی اور گناہ کے ذریعے حکومت کر رہے ہوں؟ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور مؤمنین کے دشمنوں سے دوستیاں کرتے ہیں، اور مسلمانوں سے لڑتے ہیں۔ دن رات، بار بار مقدسات کو پامال کیا جاتا ہے، اور وہ مسلسل ایسی مذمتیں کرتے رہتے ہیں جن کا کوئی وزن ہے اور نہ ہی کوئی اثر ہے۔ وہ ملک کو سود کے بوجھ سے

کچل کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو جنگ کی دعوت دیتے ہیں، جبکہ دولت کی گردش کو روکتے ہیں کہ جو غربت کا خاتمہ کرتی ہے۔ کیا اس صورتحال میں ہم خاموش رہ سکتے ہیں؟!

اے مسلمانو اور خصوصاً اہل اقتدار!

آیئے امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے دکھ اور غم کو اس کا صحیح مقام دیں۔ ان کی شہادت ہمیں آج اپنے حالات بدلنے کی ترغیب دے، ایسے ظالموں کے دور میں جو عرب اور عجم دونوں میں حکمران بنے بیٹھے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام ہمارے لیے نمونہ بنیں، تاکہ ہم غاصبوں کے خلاف جرات مندانہ موقف اختیار کریں۔ درحقیقت یہ ہم سب پر فرض ہے کہ ہم نبوت کے نقش قدم پر خلافت کے دوبارہ قیام کے لیے سنجیدگی سے کام کریں۔ اور یہ ہمارے درمیان موجود طاقت ور لوگوں پر منحصر ہے، یعنی مسلح افواج، کہ وہ غاصبوں کو اتار پھینکیں اور حزب التحریر کو نُصرة دیں، اور اسلام کو دوبارہ ایک طرز زندگی کے طور پر بحال کریں۔ اللہ عزوجل ہمیں جلد کامیابی عطا فرمائے۔

فہرست

محمد علی جوہر : خلافت کے نگہبان اور ارضِ مقدس فلسطین کے محافظ

مریم بنت محمد

ہندوستان میں تحریک خلافت کے عظیم رہنما محمد علی جوہر 10 دسمبر 1878ء میں پیدا ہوئے اور جنوری 1931ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، آمین!

خلافت مسلمانوں کی ڈھال ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے نفاذ کا واحد طریقہ ہے۔ امت مسلمہ کے لئے خلافت کو بحال کرنا اور اس کی حفاظت کرنا اہم ترین فرائض میں سے ہے۔ خلافت کی فرضیت واہمیت قرآن وحدیث، اجماع صحابہؓ اور فقہاء کے اقوال سے تو ثابت ہے ہی اور اس کے ساتھ ساتھ ہمارے سلف صالحین کی پوری زندگی کی جدوجہد سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ خلافت ہی پوری دنیا کے مسلمانوں اور مقدس مقامات کی حفاظت کی ضامن تھی اسی لئے مولانا محمد علی جوہر اور ان کے بھائی شوکت علی نے خلافت کو بچانے کے لئے *تحریک خلافت* کا آغاز کیا تھا۔ اور ان کی والدہ محترمہ، بی اماں، کا یہ قول زبان زدعام ہوا۔

”جان، بیٹا خلافت پہ دے دو“

پوری امت مسلمہ اور خصوصاً القدس، فلسطین سے ان کی محبت وعقیدت بہت سے واقعات سے ظاہر ہوتی ہے۔

نومبر 1928ء میں محمد علی جوہر نے دورۂ فلسطین کے لیے القدس کے مفتیٔ اعظم سید امین الحسینی کو دمشق سے بذریعہ تار اطلاع دی تو یہ خبر پورے فلسطین میں پھیل گئی اور ان کے استقبال کی تیاریاں دریائے اردن کی سرحد سے القدس تک شروع ہو گئیں۔ اپنے روایتی گھڑ سواروں اور عربی گیتوں کے ساتھ راستوں کے کناروں پر ہزاروں لوگ محمد علی جوہر کے استقبال کے لئے جمع ہو گئے۔

ابتدا میں، برطانوی مینڈیٹ کے ہائی کمشنر ہربرٹ پلومر نے محمد علی جوہر کے داخلے کو مسترد کر دیا لیکن پھر فلسطینیوں کے شدید جوش و خروش پر بالآخر 20 نومبر کو انہیں داخلے کی اجازت ملی تو لوگوں نے موسم کی شدت کے باوجود نہایت گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا۔(دسمبر 1928ء کے ہمدرد شمارے کی رپورٹ)

محمد علی جوہر اپنے زیرِ شائع اخبارات 'کامریڈ' اور 'ہمدرد' میں فلسطین کے بارے میں بہت کچھ لکھتے اور فکر مندی کا اظہار کرتے تھے۔ 1917ء کے بالفور اعلامیہ کے بعد تو وہ خاص طور پر فلسطین کے لیے آواز اٹھاتے رہے۔ برطانوی حکومت کی طرف سے کڑی نگرانی اور پابندی کے خوف سے بے پرواہو کر وہ حق کی آواز بلند کرتے رہے۔ برصغیر کے مسلمانوں کی فلسطین کے لیے فکر مندی اور ان اخبارات کے کام پر برطانوی حکومت کی تشویش بھارت کے قومی کتابچوں میں موجود ایک خط سے ظاہر ہوتی ہے جو لیفٹیننٹ گورنر کے کیمپ آفس سے سر جیمز کو بھیجا گیا تھا جس میں (نیا دور اخبار کے بارے میں) لکھا تھا کہ،

''ہم اس خاص اخبار پر نظر رکھے ہوئے ہیں جو کامریڈ اور ہمدرد کی طرح ہوا کی رفتار پر چل رہا ہے اور کسی بھی لمحے اس پر پابندی عائد کرنے یا دیگر طریقوں سے اس اخبار کے اثرات کو محدود کرنے کی ضرورت پڑ سکتی ہے''۔ نگرانی اور رکاوٹوں کے باوجود محمد علی جوہر اپنے بھائی شوکت علی کے ساتھ مل کر ہمیشہ فلسطین کے بارے میں ہندوستانی مسلمانوں کا شعور اجاگر کرتے رہے۔

1923ء کے اواخر میں فلسطین سے آنے والے وفد کے لئے خلافت کمیٹی نے گرانٹ روڈ بمبئی پر عوامی اجتماع کا انعقاد کیا۔ ٹائمز آف انڈیا کی 31 جنوری 1924ء کی رپورٹ کے مطابق اس اجتماع میں محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور ان کی والدہ بی اماں کے استقبال کے وقت فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی۔ یہی وہ عقیدے کا تعلق تھا جس کو یاد کراتے ہوئے محمد علی جوہر نے مسجدِ اقصیٰ اور قبۃ الصخرۃ کی ضروری مرمت کے لئے مسلمانوں سے مالی امداد کی اپیل کرتے ہوئے کہا، ''ہر مسلمان مرد، عورت اور بچے پر فرض ہے کہ اس کام میں حصہ لے کر دنیا و آخرت میں خیر اور نجات حاصل کرے''۔

ٹائمز آف انڈیا کی 14 ستمبر 1929ء کی رپورٹ کے مطابق محمد علی جوہر نے 13 ستمبر کو بمبئی میں ایک عوامی اجتماع کی صدارت کرتے ہوئے کہا، "صرف مسلمان ہی القدس کے مالک ہیں جو ان کے قبلۂ اول کی سرزمین ہے اور اس طرح ان کے لیے انتہائی مقدس ہے"۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ اپنی جان تک قربان کر دیں گے اور فلسطین کو برطانوی کنٹرول سے آزاد کرانے کے لیے کوئی کسر باقی نہ چھوڑیں گے۔

محمد علی جوہر کی وفات پر فلسطین کے مفتی اعظم امین الحسینی نے انہیں بیت المقدس میں دفن کرنے کی درخواست کی تاکہ ہندوستانی اور فلسطینی مسلمانوں کی محبت اور اتحاد پر مہر تصدیق ثبت ہو جائے۔ شوکت علی نے یہ درخواست قبول کر لی۔ اخبارات کے مطابق اس خبر کا فلسطین میں وسیع پیمانے پر خیر مقدم کیا گیا اور فلسطین کی مساجد میں خصوصی دعائیں کی گئیں۔ جنازہ کے القدس میں پہنچنے پر احتراماً بازار بند ہو گئے۔ اور ہجوم کے باعث مسجد اقصیٰ تک پہنچنے میں تین گھنٹے لگ گئے۔ جمعہ کی نماز کے بعد تین مرتبہ محمد علی جوہر کی نماز جنازہ پڑھائی گئی جس میں تقریباً دو لاکھ مسلمانوں نے شرکت کی۔ یہ ہندوستان اور فلسطین کے مسلمانوں کے اٹوٹ اتحاد کی علامت تھی۔

فلسطین بلیٹن کے 5 جنوری 1931ء کے شمارے کے ایک مضمون میں جمال الحسینی نے محمد علی جوہر سے آخری ملاقات کے الفاظ دہرائے، "یہ نہ سمجھو کہ میں نے فلسطین کو بھلا دیا ہے۔ جب تک میں زندہ ہوں، فلسطین کی یاد میرے ذہن میں رہے گی۔۔۔۔۔۔ فلسطین کے تمام مسلمانوں کو میرا اسلام کہنا"۔

محمد علی جوہر اور ان کے بھائی کی کوششیں ہمارے لئے عملی مثال ہیں جو انہوں نے برطانوی راج کی غلامی میں رہتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کو بچانے کے لئے کیں۔ مگر آج ہم آزاد ہو کر کیا کر رہے ہیں؟ تقریباً ایک صدی بیت چکی ہے۔۔۔ اور حالات بد سے بدترین ہو گئے ہیں۔ ہم نے محمد علی جوہر ٹاؤن اور شوکت علی روڈ بنا کر یادگاریں تو بنا دیں مگر ان کا مشن بھلا دیا جو بحیثیت مسلمان ہم سب کا مشن ہے!!!

ہم ایک زندہ قوم ہیں اور مرتے دم تک اپنے عقیدے اور امت مسلمہ کی ویسے ہی حفاظت کرتے رہیں گے جیسے ہمارے اسلاف کرتے رہے، ان شاء اللہ!

فہرست

"شر کے مسئلے" کے بارے میں، ایک ملحد کے ساتھ گفتگو!

خلیل مصعب، پاکستان

کچھ ملحدین یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جو لوگ خالق پر ایمان رکھتے ہیں، انہیں یہ بھی ماننا چاہیے کہ شر کو بھی موجب ہونے کی بنیاد پر اسی رب نے پیدا کیا ہے۔

شاید اس سوال کو حل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ پہلے اس کے ماخذ کی نشاندہی کر لی جائے۔ فلسفہ یا مذہب میں کوئی سوال ایسے ہی اچانک سے پیدا نہیں ہو جاتا بلکہ کسی بنیاد پر آتا ہے، بلکہ ہر وہ سوال جو کبھی بھی کسی فلسفی نے اٹھایا ہو وہ ایک مخصوص نظامِ فکر اور زندگی کے بارے میں ایک مخصوص نقطہ نظر کی پیداوار ہوتا ہے۔ ان دونوں چیزوں کے لئے جو مناسب لفظ ہم یہاں استعمال کر سکتے ہیں وہ ''تصورات'' (مفاہیم) ہے۔ جب کوئی شخص کچھ خاص تصورات کا حامل ہوتا ہے، تو وہ فطری طور پر ان تصورات کو جس حقیقت میں وہ رہتا ہے اس پر لاگو کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسا کرنے سے ہی سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

اس بات کو سمجھنے سے ہمیں فلسفہ میں اُٹھنے والے سوالات کا سیاق و سباق سمجھنے میں مدد ملتی ہے، جس کے نتیجے میں ہم ان سوالات کا صحیح جواب دے سکتے ہیں۔ اگر آپ سمجھ نہیں پا رہے ہیں کہ اس سے کیا مراد ہے، تو ان شاءاللہ، جب ہم اپنی گفتگو کو آگے بڑھائیں گے تو یہ بات واضح ہو جائے گی۔

ہماری معلومات کے مطابق، ایک قدیم یونانی فلسفی اپیکورس (Epicurus)(341 سے 270 قبل مسیح) وہ پہلا مفکر تھا جس نے "شر کا مسئلہ"، یعنی برائی کیوں پائی جاتی ہے اور آخر خالق نے اس کے ہونے کی اجازت کیوں دی، کے بارے میں سوال اُٹھایا۔ اس نے شر کے حوالے سے جو ''مسئلہ'' پیش کیا اسے سکاٹ لینڈ کے فلسفی ڈیوڈ ہیوم (David Hume) نے اپنے '' فطری مذہب سے متعلق مکالمے (Dialogues ''

(Concerning Natural Religion میں کچھ اس طرح بیان کیا ہے، "کیا (خالق) برائی کو روکنے کے لیے راضی ہے، لیکن قابل نہیں ہے؟ تو کیا پھر وہ عاجز ہے؟ کیا وہ قادر ہے، لیکن راضی نہیں ہے؟ تو پھر وہ بدخواہ ہے؟۔ کیا وہ قابل بھی ہے اور راضی بھی؟ تو پھر شر آخر کیوں کر موجود ہے؟ "

اب آیئے پہلے بیان کئے گئے طریقہ کو استعمال کرتے ہوئے اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ یعنی، آیئے کوشش کریں اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ ایپیکورس (Epicurus) اپنے ذہن میں کیا تصورات رکھتا تھا۔

ایپیکورس (Epicurus) ایک خاص فلسفے پر یقین رکھتا تھا جسے "ایٹم ازم" (atomism) کہا جاتا ہے (اور ایپیکورس کو اس فلسفے کا جدامجد بھی کہا جاتا ہے)۔ اس فلسفے کے مطابق، ہم جس دنیا میں رہتے ہیں وہ اس وقت وجود میں آئی جب کچھ مادی ذرات جنہیں "ایٹم" کہا جاتا ہے (اور یہ وہ ایٹم نہیں ہیں جنہیں ہم آج سائنس میں جانتے ہیں) محض اتفاق سے ایک ساتھ مل گئے۔ نوعِ انسانی اور جاندار بھی انہی ایٹموں کے آپس میں ملنے کی پیداوار ہیں۔

ایپیکورس (Epicurus) کے مطابق یہ دنیا، جس میں ہم رہتے ہیں، اور ہم خود بھی محض مادہ ہیں اور ہمارے مرجانے کے بعد، جن ایٹموں سے مل کر ہم بنے تھے وہ منتشر ہو جاتے ہیں۔ اور ہماری کچھ بھی باقیات نہیں رہتیں۔ ہمارے اندر کوئی روح موجود نہیں ہے اور اسی لئے موت کے بعد کوئی زندگی بھی نہیں ہے۔

اس بات پر یقین رکھتے ہوئے کہ موت کے بعد کوئی زندگی موجود نہیں ہے، ایپیکورس (Epicurus) نے اپنا ایک نظریہ وضع کر لیا جسے وہ زندگی گزارنے کا بہترین طریقہ سمجھتا تھا۔ اس کے مطابق چونکہ موت کے بعد ہمارا وجود ختم ہو جاتا ہے، اس لئے زندگی گزارنے کا بہترین طریقہ اپنی لذتوں اور خواہشات کو پورا کرنا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو "اچھی" ہے۔ اور چونکہ لذتیں اچھی چیز ہیں، لہٰذا درد و تکالیف بری چیز ہے۔

پس یہی ایپیکورس (Epicurus) کا وہ تصور تھا جب اس نے ''شر کا مسئلہ'' کو وضع کیا۔ وہ دوسرے یونانی مکاتب فکر سے مختلف تھا، جیسا کہ سٹوکس (Stoics) اور ارسطو (Aristotelians)، جو تکلیف کے بارے میں یہ خیال رکھتے تھے کہ یہ ایک غیر مشروط برائی ہے۔

ایپیکورس (Epicurus) بہت سے دیوتاؤں کے وجود پر یقین رکھتا تھا۔ اور حقیقت کے حوالے سے یہ اس کا ادراک تھا۔ اور جب اس نے شر کے اپنے تصور کو اس حقیقت پر لاگو کیا جس میں بہت سے دیوتا موجود ہیں، تو تب ہی اس نے "شر کا مسئلہ" کے متعلق خیال پیش کیا۔ اور خود اپنے ہی سوال کے جواب میں، ایپیکورس (Epicurus) اس نتیجے پر پہنچا کہ دیوتاؤں نے دنیا میں شر کی اجازت صرف اس لئے دے رکھی ہے کیونکہ انہیں نوعِ انسانی اور ان کے امور کی کچھ پرواہ نہیں ہے۔

تاہم، ایپیکورس (Epicurus) کے تصورات کی درستگی سے پہلے، ہم ایک سوال سے آغاز کرتے ہیں: کیا درد و تکلیف واقعی شر ہے؟

بحیثیت مسلمان، ہم ایک خالق (اللہ سبحانہ و تعالیٰ) کے وجود، قرآن کے معجزہ اور محمد ﷺ کے پیغام پر یقین رکھتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جو کچھ بھی ہم پر واقع ہوتا ہے (چاہے وہ تکلیف ہو یا خوشی، اچھی قسمت ہو یا بد قسمتی) وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق سورۃ النساء آیت نمبر 78 میں ہوتی ہے جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ **قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ** ﴾ **''(اے نبی ﷺ) کہہ دو کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے''۔**

تاہم، یہ کہنا کہ ہم اس زندگی میں جو بھی تکلیف محسوس کرتے ہیں (اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم سے) وہ شر ہے، یہ تکلیف کی حقیقت کو غلط سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ ایپیکورس (Epicurus) کے دنیا کے حوالے سے نظریہ کے مطابق، تکلیف بری (شر) ہے کیونکہ اس کے نزدیک زندگی کا مقصد محض خوشیوں کا حصول ہے۔

مقصد اور جس امر کو ہم خیر اور شر سمجھتے ہیں، ان کے درمیان تعلق کو سمجھنا ضروری ہے۔ مقصد ہی وہ اصل ہے جو ہمیں خیر اور شر کا معیار فراہم کرتا ہے۔

ایک سادہ سی مثال درج ذیل ہے: اگر مجھے کسی کار ڈیلر کے پاس جانا ہو اور میں اس سے "اچھی کار" مانگوں تو وہ پہلے مجھ سے پوچھے گا کہ مجھے کیا چاہیئے یعنی میں کس مقصد کے لئے کار خرید رہا ہوں؟ کیا مجھے یہ گاڑی کچے راستوں کے لئے چاہیے؟ تو اس صورت میں، ایک لینڈ روور میرے لیے اچھی ہو گی۔ یا میں کسی ایسی گاڑی کی تلاش میں ہوں جو کام پر آنے جانے میں میرے لئے کارآمد ہو؟ تو اس کے لیے، ایک سیڈان میرے لیے اچھی ہو گی۔ یا شاید کار خریدنے کا میرا مقصد صرف ایسی چیز کا مالک بننا ہے جو جمالیاتی ہو اور اس کی نمائش کرنا مقصود ہو (اور میں نے یہ مثال اس لئے شامل کی ہے کیونکہ کچھ فلسفیوں کے نزدیک زندگی کا مقصد جمالیات کا حصول ہے)، تو ایسی صورت میں، اسپورٹس کار جیسی لشکارے دار چیز میرے لئے اچھی ہو گی۔

درج بالا ہر معاملے میں، کسی کار کی خوبی کا تعین اس مقصد کے حوالے سے کیا جاتا ہے کہ یہ کس مقصد کو پورا کرے گی۔

ایپیکورس (Epicurus) کے برعکس، ہم اپنے دین کی بدولت یہ جانتے ہیں کہ معبود کئی نہیں ہیں، بلکہ صرف ایک ہی رب ہے اور وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ مزید برآں، ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں ایک واحد مقصد کے لئے پیدا کیا ہے: کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کی خوشنودی حاصل کی جائے۔ سورۃ الذاریات کی آیت نمبر 56 میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنسَ إِلاَّ لِيَعْبُدُونِ ﴾ **"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ وہ میری بندگی کریں"۔**

تکلیف آنا اچھا ہے یا برا ہے اس کا تعین ایپیکورس (Epicurus) کے تصورات کے مطابق نہیں ہونا چاہیے کہ نوعِ انسانی کا مقصد کیا ہے، بلکہ اس کے مطابق ہونا چاہئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمارے لئے ہمارے مقصد کا انتخاب کیا ہے۔

قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لیے مقرر کردہ آزمائشوں اور تکلیفوں کے بارے میں بتاتی ہیں اور یہ کہ کیسے وہ تکالیف ہمارے مقصد (یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے) میں ہماری مدد کرتی ہیں۔

ایک تو تکلیف کا آنا ہمارے لئے خیر ہے کہ یہ ہمارے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **«ما يُصِيبُ المُسْلِمَ، مِن نَصَبٍ ولَا وصَبٍ، ولَا هَمٍّ ولَا حُزْنٍ ولَا أذًى ولَا غَمٍّ، حتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا، إلَّا كَفَّرَ اللَّهُ بهَا مِن خَطَايَاهُ»** "**کوئی تھکاوٹ، بیماری، رنج، تکلیف، غم، مشکل جو مسلمان پر آتی ہے، خواہ وہ کانٹا ہی کیوں نہ چبھنا ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے**" (بخاری)۔

دوم، تکلیف کا آنا ہمیں صبر کرنا سکھاتا ہے۔ سورہ البقرۃ کی آیت نمبر 155 اور آیت نمبر 156 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، **﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ط الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾** "**اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میوؤں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے تو صبر کرنے والوں کو (اللہ کی خوشنودی کی) بشارت سنا دو۔ ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں**"۔

یہ اللہ عزوجل کی رحمت ہے کہ قیامت کے دن اپنے مصائب وآلام پر صبر کرنے والے اپنے درجات کو جنت میں بلند پائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **«إنَّ الرَّجلَ لتَكونُ لهُ عِنْدَ اللهِ الْمَنْزِلَةُ فَمَا يَبْلُغُهَا بِعَمَلٍ فَلَا يَزَالُ اللهُ يَبْتَلِيهِ بِمَا يَكْرَهُ حَتَّى يُبَلِّغَهُ إيَّاهَا»** "**بے شک کسی انسان کا اللہ کے ہاں وہ درجہ ہو سکتا ہے جو اس نے اپنے نیک اعمال سے حاصل نہ کیا ہو۔ اس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ اسے اس چیز سے آزمائش میں ڈالتا رہتا ہے جو اسے ناگوار گزرتی ہے یہاں تک کہ وہ اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جو اس کے لئے مقرر کیا گیا ہے**" (ابن حبان)۔

یہ تو محض وہ چند انداز ہیں جن میں ہم تکلیف آنے کو اپنے لئے اچھا سمجھتے ہیں نہ کہ اسے وہ "شر" یا برا سمجھیں جیسے اپیکورس (Epicurus) نے سمجھا تھا۔

یہ محض اتفاق نہیں ہے کہ مذہب اور فلسفے کے عصری مباحثوں میں "شر کا مسئلہ" ایک بار پھر سامنے آیا ہے۔ اپی کیورین (Epicurean) مکتبہ فکر کا احیاء 17ویں صدی میں یورپ میں ہوا اور جدیدیت کے جھنڈے تلے پھلنے پھولنے والے زیادہ تر فلسفے، علوم اور اداروں کی بنیاد بنا۔ (اس بارے میں مزید جاننے کے لیے کیتھرین ولسن (Catherine Wilson) کی کتاب (Epicureanism at the Origins of Modernity) موجود ہے)۔

یہی وجہ ہے کہ آج ہم ایک ایسی دنیا میں رہتے ہیں جہاں اپیکورس (Epicurus) کی طرح کے بہت سے لوگ، درد و تکلیف آنے کو برائی کے طور پر دیکھتے ہیں۔

اس عقیدے کو زائل کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کا دنیا کو دیکھنے کا نظریہ اور تصورات کو تبدیل کیا جائے۔ یعنی انہیں اس زندگی میں ان کا اصل مقصد یاد دلایا جائے۔ تب ہی لوگ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی حکمت کو پہچان سکتے ہیں جو اُس (اللہ) نے ہمارے لیے تکلیف اور آزمائش میں رکھی ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا، ﴿**كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ**﴾ **"(مسلمانو) تم پر (اللہ کے رستے میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے اگرچہ وہ تمہیں ناگوار ہو گا مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے لئے مضر ہو۔ اور (ان باتوں کو) اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے"** (البقرۃ، 2:216)۔

یہ نبوت کے نقش قدم پر قائم ہونے والی خلافت ہی ہو گی جو اسلام کی دعوت کو پوری دنیا تک لے جائے گی، اور اس کے لئے دستیاب تمام ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے، انسانیت کے عالمی نظریے میں ایک عظیم تبدیلی پیدا کرے گی۔ اور یہ جلد ہی ہو گا، ان شاءاللہ !

فہرست

چین کو محدود کرنے میں بھارت کی کمزوری پاکستان، ایران اور افغانستان کے مسلمانوں کیلئے موقع ہے!

بائیڈن انتظامیہ چین کو ٹکر دینے کے لئے نہایت سر گرمی سے بھارت، جاپان اور آسٹریلیا کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ گزشتہ ایک سال کے دوران امریکہ کی چین کو محدود کرنے کی پالیسی میں تیزی آئی ہے جس نے چین کو جلد ہی غصیلے رد عمل کے اظہار پر مجبور کر دیا ہے۔ اخبار، ساؤتھ چائنا مارننگ پوسٹ نے 7 مارچ 2023ء کو رپورٹ دی کہ چینی صدر شی جن پنگ نے کہا، "امریکہ کی قیادت میں مغربی ممالک نے چین کو ہمہ جہت محدود کرنے اور پابندیوں پر عمل درآمد کیا ہے"۔[1]

22 جون 2023 کو اعلان کردہ امریکہ بھارت جامع عالمی اور اسٹریٹجک شراکت داری کی بنیاد پر امریکہ بھارت کی وسیع پیمانے پر حمایت کر رہا ہے۔ حال ہی میں، برطانوی خبر رساں ادارے، رائٹرز نے 31 جنوری 2024 کو رپورٹ دی کہ، "وائٹ ہاؤس منگل کو بھارت کے ساتھ ایک شراکت داری کا آغاز کر رہا ہے جس سے صدر جو بائیڈن کو کافی امید ہے کہ دیگر ممالک کو فوجی ساز و سامان، سیمی کنڈکٹر اور مصنوعی ذہانت کے میدان میں چین کے خلاف مقابلہ کرنے میں مدد ملے گی"۔[2]

چین کو بحیرہ احمر میں بھارتی بحریہ کی پیش قدمی کے بارے میں کافی تشویش ہے، جس کا مرکز اسٹریٹجک باب المندب ہے، جو تاریخی طور پر خلافت کی بحری بالادستی کی کنجی ہوا کرتا تھا۔ 30 جنوری 2024 کو، چین کی مسلح افواج کے میڈیا سیل، چائنا ملٹری آن لائن نے مشرق وسطیٰ میں بھارتی بحریہ کی بڑھتی ہوئی موجودگی پر تبصرہ کرتے ہوئے، بحریہ کے فوجی تحقیق نگار ژانگ جنشے کے حوالے سے کہا کہ، "بھارت نے خود کو ہمیشہ ایک بڑی طاقت کے طور پر پیش کیا ہے"۔[3]

افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ایک ایسے وقت میں جب بھارت کی جانب سے خطرہ بڑھ رہا ہے، اس دوران خطے کی مسلم ریاستوں، ایران، افغانستان اور پاکستان کی بصیرت سے عاری قیادتیں ایک دوسرے کے ساتھ فضول تنازعات میں مصروف ہیں۔ خطے کی ان سب ریاستوں کا بھارت کو ایک ساتھ چیلنج کرنا تو دور کی بات، اگر ان مسلم ریاستوں میں سے کوئی ایک بھی بھارت کو ٹکر دے دیتی تو پورے کا پورا امریکی منصوبہ ہی ناکام ہو جاتا۔ لیکن اس کے بجائے، ایران، پاکستان اور افغانستان باہمی سرحدی تنازعوں میں مصروف ہیں۔ اسلامی جمہوریہ ایران کی خبر رساں ایجنسی [ارنا-IRNA] نے 7 فروری 2024 کو رپورٹ کیا کہ ایرانی وزیر داخلہ احمد وحیدی نے کہا کہ "سرحد کو بند کرنے کے معاملے پر ہم پیش رفت کر رہے ہیں"۔[4]

مسلم ریاستوں کے درمیان عدم اتفاق نے بھارت کو وہ سکون فراہم کیا ہے کہ جس کی اسے کافی ضرورت تھی۔ بصورت دیگر بھارت کافی مشکل میں گھرا ہوا ہوتا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد چین کے ساتھ تنازعات کی طویل تاریخ میں بھارت کو تین عسکری جھڑپوں کا سامنا کرنا پڑا، 1962 کی چین بھارت جنگ، 1967 میں ناتھولا اور چولا میں سرحدی جھڑپیں اور 1987 کی سمڈورونگ چو جھڑپ۔ سال 2013 کے بعد سے دونوں ممالک کی 2100 میل طویل متنازع سرحد، جسے لائن آف ایکچوئل کنٹرول (ایل اے سی-LAC) کے نام سے جانا جاتا ہے، کے ساتھ سرحدی جھڑپوں نے ہندوستان کی کمزوری کو مزید بے نقاب کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر، 2020 میں وادئ گلوان میں ہونے والی لڑائی میں کم از کم 20 بھارتی فوجی ہلاک ہوئے، جبکہ اس کے مقابلے میں چین کے صرف چار فوجی مارے گئے تھے۔

بھارتی فوج کسی بھی قابل قدر مخالف سے نمٹنے میں خاصی کمزور ہے۔ بھارتی فوج میں ہندو عددی اور نفسیاتی طور پر بھی حاوی ہیں۔ ان میں اسلام جیسے مضبوط جنگی جذبے کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہیں ہے، اور یہ ذات پات کی بنیاد پر تقسیم کی وجہ سے کمزور ہیں، جس کی جڑیں ہندو تعصب میں پیوست ہیں۔ تاریخ میں بھی، ایمان پر مبنی چھوٹی مسلم افواج نے ہندو جنگجوؤں کے بڑے بڑے جتھوں کو آسانی سے شکست دے دی تھی۔ ابھی حال ہی میں، کشمیر کے مجاہدین نے بھارتی فوج پر تب تک اپنی دہشت طاری کئے رکھی جب تک پاکستان کی فوجی قیادت نے ان کی پیٹھ میں چھرا

نہ گھونپ دیا۔ جہاں تک جدید بھارتی فوج میں پائی جانے والی گہری طبقاتی تقسیم کا تعلق ہے، تو وہ کافی گہری ہیں جو خودکشی کی شرح میں خاطر خواہ اضافہ کر سکتی ہیں۔ 16 اکتوبر 2023 کو انڈین ایکسپریس نے خبر دی، "بھارتی فوج کے مطابق، 2001 سے لے کر اب تک ہر سال تقریباً 100 سے 140 فوجی "خودکشی/خود ساختہ زخموں" کے باعث ہلاک ہو جاتے ہیں"۔[5]

بھارت کی ان کمزوریوں کے باوجود واشنگٹن کے پاس کوئی دوسرا حقیقی علاقائی آپشن موجود نہیں ہے۔ امریکہ کو اسلام، مسلمانوں اور مسلم ریاستوں کے بارے میں شدید پریشانی لاحق ہے۔ اور وہ اسلام کی رہنمائی کے تحت امت کی بے پناہ صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ صلیبی دور میں خلافت اور مغرب کے درمیان صدیوں سے جاری کشمکش سے بھی مکمل طور سے آگاہ ہے۔ امریکہ جنوبی اور وسطی ایشیا میں سیاسی اسلام کے ابھرنے سمیت خلافت کی بحالی کی اہم پکار پر گہری نظر رکھے ہوئے ہے اور اس سے خوفزدہ ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں امریکی غلط فہمیاں اس کے باطل استعماری نکتۂ نظر سے بجا ہیں۔ بے شک، خلافت امریکی ورلڈ آرڈر کو تباہ کرنے کی راہ پر گامزن ہو کر خطے کی صورتحال کو یکسر ہی بدل ڈالے گی۔

تاہم بھارت پر امریکی انحصار مکمل طور پر غلط ہے۔ امریکہ کی سرمایہ دارانہ معیشت نے دولت کے شدید ارتکاز کے ساتھ ساتھ وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی غربت اور مشکلات پیدا کی ہیں۔ معاشی ناکامی کی مثال 2024 میں بھارتی کسانوں کے احتجاج سے ملتی ہے جو 13 فروری 2024 کو شروع ہوا تھا، اور جو 2022 میں سال بھر جاری رہنے والے مظاہروں کا تسلسل تھا جس کے نتیجے میں 600 افراد ہلاک ہو گئے تھے۔ یہ ناکامی ہندوؤں کی طبعی اہلیت کی کمزوری کے علاوہ ہے۔ ہندو نے اگر کبھی کامیابی پائی بھی ہے تو صرف ایک قوی اور مضبوط افراد کی قیادت تلے ہی وہ کامیاب ہو سکا ہے۔ مسلمانوں نے صدیوں تک اس واضح خلا کو پُر کئے رکھا اور برصغیر پاک وہند کو پوری دنیا کے لئے ایک اہم مرکز کے طور پر بلند کیا۔ یہاں تک کہ جب انگریزوں نے ان علاقوں پر قبضہ کیا تو ہندو اکثریت نے انگریزوں سے مزاحمت کے لئے مسلمان قیادت کی جانب ہی رجوع کیا۔

خطے میں ابھرتی ہوئی صورتحال کے تناظر میں مسلمانوں کی قیادت کو اب کم سے کم بھی نبوت کے طریقے پر خلافت کے قیام پر غور کرنا چاہیے۔ چین دوبارہ ابھرنے والی خلافت کے ہاتھوں بھارتی بالادستی کے خاتمے پر آنسو نہیں بہائے گا۔ اس خطے سے سات سمندر پار بیٹھا واشنگٹن اسلامی غلبے کے دوبارہ قیام پر بے بس تماشائی بنا رہے گا۔ لہٰذا قیادتوں کو خلافت پر غور کرنا چاہئے یا پھر وہ ان لوگوں کے ہاتھوں اپنا تختہ الٹنے کا انتظار کریں جو مؤمنین اور اپنے رب کے وسیلہ سے اقتدار اور عزت حاصل کرتے ہوئے اس موقع سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا؛ ﴿**الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا**﴾ **"وہ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں، کیا ان کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں، تو عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کی ہے" (النساء؛4:139)۔**

فہرست

پوری مسلم تاریخ میں مسلم فوجی کمانڈروں نے سخت حالات میں جنگوں کے پانسے پلٹے ہیں، تو کہاں ہیں آج ان کے معزز جانشین؟

عمران یوسفزئی، پاکستان

ہم تمام مسلمانوں کے ابدی کمانڈر نبی ملاحم (جنگوں کے نبی) محمد مصطفی ﷺ ہیں۔ سیدنا حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میری نبی اکرم ﷺ سے مدینہ کے کسی راستہ میں ملاقات ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا: **«انا محمد، وانا احمد، وانا نبي الرحمة، ونبي التوبة، وانا المقفى، وانا الحاشر، ونبي الملاحم»** **"میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں نبی رحمت ہوں، میں نبی توبہ ہوں، میں سب سے پیچھے آنے والا ہوں، میں حاشر ہوں اور میں جنگوں کا نبی ہوں۔"** (مسند احمد)۔ یہ ہمارے نبی ﷺ ہی تھے، کہ جب غزوہ حنین میں مسلمانوں کی کثیر تعداد دشمن کے سرپرائز حملے سے بوکھلا گئی، مسلمان ایک کمزور لمحے کی زد میں آکر بھاگنے لگے، جنگ کا پانسہ لمحوں میں پلٹ گیا اور شکست سامنے نظر آنے لگی۔ اور قرآن میں اس کا بیان ان الفاظ میں آیا: **﴿وَّ يَوۡمَ حُنَيۡنٍ ۙ اِذۡ اَعۡجَبَتۡكُمۡ كَثۡرَتُكُمۡ فَلَمۡ تُغۡنِ عَنۡكُمۡ شَيۡـًٔا وَّ ضَاقَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ ثُمَّ وَلَّيۡتُمۡ مُّدۡبِرِيۡنَ﴾** **"اور حنین کی لڑائی والے دن بھی جب کہ تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا، لیکن اس نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا، بلکہ زمین باوجود اپنی کشادگی کے تم پر تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ پھیر کر مڑ گئے۔"** (سورۃ التوبہ: 25)۔ روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے خاندان اور چند مہاجرین کے سوا کوئی نہ بچا، تو اس موقع پر ہمارے ابدی کمانڈر رسول اللہ ﷺ نے عظیم شجاعت کا مظاہرہ کیا اور اپنے خچر کو پیش قدمی کیلئے ایڑ لگائی اور باآواز بلند پکارا، **﴿انا النبی لا کذب ۔ انا ابن عبد المطلب﴾** **"میں نبی ہوں اور جھوٹ نہیں بولتا۔"** (النووی)۔ یہ آوازیں سن کر مسلمان پلٹ آئے، اور تھوڑی دیر میں جنگ کا پانسہ پلٹ گیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کن فتح کے لیے اپنی نصر عطا فرمائی۔

جنگ قادسیہ میں شیاٹکا کے مرض کے باوجود سعد بن ابی وقاصؓ کی عظیم فراست اور جذبہ ایمانی نے 5 گنا سے زائد بڑے فارسی لشکر کو شکست دی۔ اس جنگ میں دیگر کمانڈروں کا ہاتھیوں کے فارسی لشکر کا منہ توڑ جواب دینے اور ہاتھیوں کی سونڈ کاٹنے نے جنگ کا پانسہ پلٹا۔

یہ یرموک کی جنگ میں خالد بن ولیدؓ کی بے مثال جرات تھی جس نے پہلے معرکے میں 60 افراد کے ساتھ 60 ہزار رومی لشکر کا مقابلہ کیا، اور دشمن کے دلوں پر وہ دھاک بٹھائی کہ جنگ کا فیصلہ جنگ سے پہلے ہی ہو گیا۔

یہ قطز اور بیبرس تھے جنہوں نے منگولوں کی یلغار اور دہشت کے باوجود ہلاکو خان کے نائب کتبغا کے دھمکی آمیز خط کا منہ توڑ جواب دیا۔ کتبغا نے لکھا تھا، "ہم نے زمین کو تاراج کر دیا، بچوں کو یتیم اور لوگوں کو سزا دی اور قتل کر دیا، ان کے سرداروں کی عزتوں کو خاک میں ملا دیا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ہم سے بھاگ سکتے ہو؟ کچھ ہی دیر بعد تم جان لوگے کہ تمہاری جانب کیا چیز آ رہی ہے۔" منگولوں نے دنیا کے ہر قانون اور اخلاقیات کے پیمانوں کو کچل دیا تھا، پس قطز نے قاہرہ کے مرکزی گیٹ باب زویلہ پر منگولوں کے وفد کو پھانسی پر لٹکا کر بگل جنگ بجا دیا، اور اپنے اس عمل سے خوفزدہ مسلمانوں کے حوصلے بھی بلند کر دیئے اور واضح کر دیا کہ ہم بزدلی کے بجائے جہاد کو ترجیح دیں گے۔ میدان جنگ میں منگولوں کے حق میں پلٹتے معرکے کے درمیان قطز نے اپنا 'خود' (لوہے کی ٹوپی) اتار کر دیوانہ وار منگولوں پر دھاوا بول دیا اور جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ 3 ستمبر، 1260ء کو عین جالوت کی اس فتح کے چند ہفتوں کے اندر شام بھی آزاد ہو گیا، اور منگولوں کا زور ٹوٹ گیا۔

ایسا ہی مسلمانوں کے کمانڈر سعد بن معاذ تھے، جن سے رسول اللہ ﷺ نے بدر کے محاذ پر جانے سے پہلے مشورہ چاہا، تو انھوں نے جواب دیا، فوالذي بعثك، لو استعرضت بنا هذا البحر فخضته لخضناه معك، وما تخلّف منا رجل واحد، وما نكره أن تلقى بنا عدونا غداً. إنا لصبر في الحرب، صدق في اللقاء. لعل الله يريك منا ما تَقَرُّ به عينك، فسر بنا على بركة الله "اے اللہ کے رسول ﷺ، آپ کا جو ارادہ ہے اس کیلئے پیش قدمی فرمائیں، اگر آپ ہمیں ساتھ لے کر سمندر میں بھی کودنا چاہیں، تو ہم اس میں بھی آپ کے ساتھ کود پڑیں گے۔ ہمارا ایک بھی آدمی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہمیں قطعاً کوئی

ہچکچاہٹ نہیں کہ کل آپ ﷺ ہمارے ساتھ دشمن سے ٹکرا جائیں۔ ہم جنگ میں پامرد اور لڑنے میں جوانمرد ہیں۔ اور ممکن ہے کہ اللہ آپ کو ہمارا وہ جوہر دکھلائے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ پس آپ ہمیں ہمراہ لے کر چلیں۔" یہ سن کر آپ ﷺ پر نشاط طاری ہو گیا اور فرمایا، **سيروا وأبشروا، فإن الله تعالى قد وعدني إحدى الطائفتين، والله لكأني الآن أنظر إلى مصارع القوم "جاؤاور خوشخبری دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے بالادست ہونے کا وعدہ کیا ہے۔ اللہ کی قسم، گویا میں اب لوگوں کی فاتحانہ جدوجہد کو دیکھ رہا ہوں۔"** (الطبرانی)۔

تو آج کہاں ہیں وہ فوجی کمانڈر، جو امت مسلمہ کی حالت زار کو پلٹنے کیلئے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر خلافت کے قیام کیلئے نصرہ دیں۔ اور ایک خلیفہ کی قیادت میں افواج کے لشکر لے کر یہودی وجود پر ٹوٹ پڑیں۔ یہ اقدام اکیلے مسلم امت پر مقرر مغربی ایجنٹوں کو ہٹانے اور امت مسلمہ کو یکجا کرنے کیلئے کافی ہو گا۔ آج مسلمان اُس فوجی کمانڈر کے انتظار میں ہیں جو اس میں پہل کرے گا۔ تو اے افواج پاکستان کے افسران! اس اعزاز کو حاصل کرنے میں کون پہل کرے گا؟

فہرست

احساسِ ندامت

پچھتاوا! ہم سب کو اندرونی طور پر اکثر کسی نہ کسی غلطی کا احساس رہتا ہے۔ باپ ہوتے ہوئے یہ احساس کہ میں اپنی اولاد کو کچھ خاص مہیا نہ کر سکا یا یہ کہ گھر پر زیادہ وقت نہ گزار سکنے کا احساس، ماں ہوتے ہوئے یہ احساس کہ بچوں پر ہر وقت چیخنا چلانا یا ناراض رہنا، اکثر اوقات اپنے بچوں پر غصہ کرنا، شریکِ حیات ہونے کے ناطے اس غلطی کا احساس کہ ایک دوسرے کے لئے اتنا مناسب وقت نہ نکال سکنا جتنا کہ ہمیں ایک دوسرے کو دینا چاہیئے، بیٹا اور بیٹی ہوتے ہوئے اس غلطی کا احساس کہ اپنے ماں باپ کو اکثر فون نہ کرنا یا ان سے ملنے نہ جانا، یا پھر دادا دادی اور نانا نانی ہوتے ہوئے اس غلطی کا احساس کہ اپنے پوتوں پوتیوں اور نواسے نواسیوں کے ساتھ شفقت نہ کر سکنا، اور اسی طرح کے کئی مزید دیگر احساساتِ ندامت کی ایک فہرست جو کہ بڑھتی ہی رہتی ہے۔

غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ احساسِ ندامت اس بات کا ہی ایک جزو ہے کہ ہم انسان ہونے کے ناطے اصل میں کیا ہیں، یہ ہمیشہ ہمارے ضمیر سے کھیلتا رہتا ہے۔ اگر ہم کچھ بھی غلط کریں تو یہ احساس ہمیں ہر اس غلط بات پر جھنجوڑتا رہتا ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے، ہمارا ردِ عمل کیسا ہونا چاہیئے، ہمیں کیا کرنا چاہیئے تھا۔ احساسِ جُرم، احساسِ ندامت، پچھتاوا! اگر ہم اس احساس کو ایسے ہی رہنے دیں تو یہ ہمیں اندر سے مار ڈالتا ہے۔ یہ ہمارے اندر کی آواز بن جاتا ہے جو ہمیں بتاتی ہے کہ ہم اچھے انسان نہیں ہیں، یہ احساس ہمیں یہ بتاتا ہے کہ "اگر تم صرف یہ کر لیتے"، "اگر صرف ایسا ہو جاتا"، "اگر تم صرف اتنے سُست نہ ہوتے"، "اگر صرف یہ"، "اگر صرف وہ" اور "اگر صرف ایسا" وغیرہ وغیرہ! اور جلد ہی وہ اندر کی آواز جو ہمیں یہ یقین دلا رہی تھی کہ ہم ایک بُرے انسان ہیں، اب وہ آواز ہمیں قائل کر لیتی ہے کہ ہم واقعی بُرے ہیں اور پھر ہم اسی طرح عمل کرنے لگتے ہیں اور یہ سب ہمارے اعمال سے جھلکنے لگتا ہے۔ پھر ہم بُرے لوگوں کی طرح عمل کرنے لگتے ہیں۔ اور پھر ہم جانتے بوجھتے ہوئے گناہوں کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں، پھر مزید احساسِ جُرم ہوتا ہے، اور پھر مزید گناہ۔۔۔ اور یکایک یہ سب یوں ہمارے مزاج میں گھر کر لیتا ہے جو ہم کبھی چاہتے بھی نہ تھے۔

واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« وإن أصابك شيء فلا تقل: لو أني فعلت كان كذا وكذا، ولكن قل: قدر الله، وما شاء فعل؛ فإن لو تفتح عمل الشيطان »

"... اگر تم پر کوئی مصیبت آن پڑے تو ایسے نہ کہو: "اگر میں یوں کرتا یا ویسے عمل کر لیتا تو اس کا نتیجہ ایسا اور ایسا نکلتا، بلکہ صرف یہ کہو، اللہ کو یہی منظور تھا اور ایسے ہی ہُوا جیسا اللہ نے چاہا۔ یہ لفظ 'اگر' شیطانی وسوسوں کی راہ کھول دیتا ہے" (مسلم)۔

ہاں یہ شیطان کے وسوسے ہو سکتے ہیں تاکہ وہ ہمارے جذبے کو ختم کر ڈالیں اور ہم اپنے آپ کو لاچار و بے بَس سمجھنے لگیں اور کوشش کرنا ہی ترک کر دیں۔ لیکن کیا ہو گا اگر ہم اسی احساسِ جُرم کو ایک مختلف انداز سے دیکھیں، اگر ہم ایک مختلف پہلو سے اس کا جائزہ لیں، اور اسے اس طرح سے دیکھیں جو کہ اس کی اصل حقیقت ہے؟ غور کریں! تو احساسِ جُرم ہمیشہ بُرا نہیں ہوتا، یہ تو اکثر ہمارا زاویہ نگاہ ہوتا ہے جو صحیح کو بھی غلط اور حلال کو بھی حرام سمجھ لیتا ہے۔ ذرا غور کریں! کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ کا کیا خیال ہے کہ ہم کچھ کر بھی پاتے؟ ہمیں کیسے معلوم ہوتا کہ ہم کچھ غلط کر رہے ہیں؟ غور کریں تو ہم اپنے ہر عمل کے بارے میں احساسِ غلطی محسوس کرتے ہوئے اور مسلسل اپنے اعمال پر خود سوالات اُٹھاتے ہوئے، اپنے بارے میں بہت حد تک سخت گیر ہو سکتے ہیں، لیکن ہمیں اس شاندار و زبردست آیتِ مبارکہ کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے:

﴿وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ﴾

"اور پشیمان ہونے والے نفس کی قسم ہے" (القیامۃ:2)

یہ آیتِ مبارکہ کس طرح سے ہمارا نکتہ نظر بدل سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ **نَفْسِ اللَّوَّامَةِ** کی قسم کھاتے ہیں، یعنی جو پشیمان ہونے والا نفس ہے۔ اللہ جل جلالہ خود اس نفس کی قَسم کھاتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی چیز کی یونہی قسم نہیں کھاتے۔ ذرا غور کریں تو اس وصف کا ہونا ایک اچھی بات ہے! یہ ایک ایسا وصف ہے جو ہمیں اس راہ سے دُور کھینچ کے

رکھتا ہے جس سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور اُس راستے پر لے جاتا ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے، یہ صفت ہمیں جگائے رکھتی ہے اور ہمیں ایک الگ راہ پر رکھتی ہے۔اور جب ہم غلطی کو صحیح نظر سے نہیں دیکھتے تو اب یہ صفت **نَّفْسِ اللَّوَّامَة** نہیں رہتی، اب یہ پشیمان ہونے والا نفس، نفس الامّارۃ میں بدل جاتا ہے جو کہ ہر وقت بُرائی سے جڑنے والا نفس ہے۔جب ہم غلطی کو غلطی سمجھنا چھوڑ دیں تو یہی نفس ایک بَلا یعنی ایک آزمائش بن جاتا ہے۔اور کیونکہ ہم اپنے آپ کے لئے خود یہ طے کر لیتے ہیں کہ ہم ''بے بس و مجبور'' یا ''درستی کے قابل نہیں ہیں'' اور ہمارے لئے کوئی نجات نہیں ہے تو پھر ہم گناہ کئے چلے جاتے ہیں، استغفر اللہ ! لیکن ہمارے پیارے پیغمبر محمد ﷺ نے ہمیں بالکل الگ انداز سے یہ سکھایا ہے۔آپ ﷺ فرماتے ہیں:

« وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ لَمْ تُذْنِبُوا لَذَهَبَ اللَّهُ بِكُمْ وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ يُذْنِبُونَ فَيَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ »

''اُس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم خطا نہ کرتے تو اللہ تمہارا وجود ہی ختم کر دیتا اور تمہاری جگہ اُن لوگوں کو بدل دیتا جو اگر گناہ کر لیتے تو اللہ سے استغفار کرتے اور اللہ اُن کو معاف کر دیتا''۔

ایک اور زبردست حدیثِ مبارکہ جو ہمیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے محبوب بندے اور سچے مومن بننے کی اُمید دلاتی ہے ، ایسے کہ ہمارے گزشتہ تمام اعمال مٹ سکتے ہیں اور ہم ایک بالکل کورے اور صاف نئے نامۂ اعمال کے ساتھ آسانی سے نئے سرے سے آغاز کر سکتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«...فَخِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الإِسْلاَمِ إِذَا فَقِهُوا »

'' ... وہ جو زمانۂ جاہلیت میں بہترین تھے، اسلام میں بھی بہترین ہوں گے اگر وہ (اسلام کی تعلیمات) سمجھ جائیں''

(بخاری)

یہ حدیث ہمیں یہ ثابت کرتی ہے کہ ہمیں کبھی بھی نا اُمید نہیں ہونا چاہئے، غلطی دوبارہ نہ کریں اور بہتری کی جانب آگے بڑھیں۔اور یہ کہ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ ہم ماضی میں کیا اعمال کر چکے ہیں، اگر ہم سچے دِل سے اپنی

غلطیوں پر نادِم اور شرمندہ ہوں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے توبہ کریں تو ہم بھی اچھے انسان، ایک سچے مومن اور اللہ کے نیک بندے بننے کے لائق ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ خطا سَرزد ہو جانا ناممکن ہو جائے گا۔ ہمارا ماحول ہی اب ایک چیلنج بن چُکا ہے، گناہ تواب واقعی ہماری دہلیز تک پہنچ چکے ہیں، ان کا مرتکب ہو جانا بہت آسان ہو چُکا ہے۔ ہمارا معاشرہ ایسا بن چُکا ہے جو ان گناہوں سے آگاہ نہیں ہے۔ پس پھر کیا ہو گا جب معاشرے کے لوگوں میں گناہ پر احساسِ جُرم ہی نہ رہے؟ اور جب گناہ کرنا ان کی روایت ورواج بن جائے؟

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾

"اور تم میں (ایک جماعت) ضرور ایسی ہونی چاہیۓ جو خیر کی طرف بُلائے، نیکی کا حکم دے اور بُرائی سے روکے اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں" (آل عمران: 104)

پس ایک قوم ضرور ایسی ہونی چاہیۓ جو اَمر بالمعروف و نہی عنِ المنکر کرتی رہے یعنی نیکی کا حکم دے اور بُرائی سے روکتی رہے۔ لہٰذا جب نفوس الامّارہ، یعنی بُرائی پر مصر نفوس، حاوی ہونے لگیں، تو پھر نفوس اللوامۃ، یعنی پشیمان ہونے والے نفوس، آگے بڑھیں جو خیر کو جگائیں اور نیکیوں سے جوڑ دیں۔ لیکن افسوس، آج ایسا نہیں ہے۔ ہم ایک سیکولر، سرمایہ دارانہ پیسوں کی مشین کے نظام کے تحت زندگی گزار رہے ہیں جو ہمیں محض اعداد یا اشیائے تجارت کے طور پر دیکھتا ہے۔ ہم نوعِ انسانی کے اعتبار سے نہیں دیکھے جاتے جس کی جبلتیں اور حاجات ہوتی ہیں۔ ہمیں "تفریحِ طبع" اور ہَوس کا ایک ماحول مہیا کیا جاتا ہے تا کہ خود غرض، لالچی اور سرمایہ دار اشرافیہ اس سے اپنے لئے مزید پیسہ کمانے کے لئے ہر طرح سے استعمال کرے اور انسانوں سے مزید مال بٹورتی رہے۔ اس کے برعکس اسلام ہمیں اشیاء کے طور پر نہیں دیکھتا بلکہ ایسی روحوں کے طور پر دیکھتا ہے جنہیں روزِ قیامت اپنے رَب، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا سامنا کرنا ہے۔

اسلام ہمیں ایک ایسا پاکیزہ ماحول اور معاشرہ فراہم کرتا ہے جو ہماری طبع کے خلاف نہیں بلکہ وہ ہماری مدد کرتا ہے ۔وہ ماحول ہماری جبلتوں کی دیکھ بھال کرتا ہے اور ہماری ضرورتوں کو پُورا کرتا ہے۔اسلام کا نظامِ حکمرانی، نظامِ خلافت، ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیتا ہے جو صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اُسی کی رضاوخوشنودی کو پسند کرتا ہے، یہ معاشرہ احساسِ ندامت کو اپنے لئے ایک ایسے زاویہ کے طور پر استعمال کرتا ہے تاکہ ہمارے اعمال درست سمت میں رہیں اور ہم اپنے نفس کے آگے لاچار و بے بس نہ ہو جائیں بلکہ اگر ایسے منفی خیالات آ بھی جائیں تو ہم انہیں اپنے آپ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب رجوع کرنے کے لئے استعمال کریں اور بخشش طلب کرتے رہیں اور دوبارہ اپنے آپ کو اپنے رب کے عاجز بندوں میں شُمار کرنے کی کوشش کریں۔

فہرست

اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل "امریکہ کی جیب میں ہے"۔ یہ امریکی مفادات اور یہودیوں اور کافر استعماری قوتوں کے مفادات کے تحت چلتی ہے

عربی سے ترجمہ

جون 2024ء کو، اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے بائیڈن کے منصوبے کی حمایت میں ایک قرارداد جاری کی جس میں غزہ اور درحقیقت پورے فلسطین کے خلاف یہودی جارحیت کی حمایت کی گئی۔ سی این این کی جانب سے 11 جون 2024ء کو شائع کردہ قرارداد کے متن میں کہا گیا کہ سلامتی کونسل، "31 مئی کو اعلان کردہ نئی جنگ بندی کی تجویز کا خیر مقدم کرتی ہے، جسے اسرائیل نے قبول کیا، حماس سے بھی اس کے قبول کرنے کا مطالبہ کرتی ہے، اور دونوں فریقین پر زور دیتی ہے کہ وہ اس کی شرائط کو فوری اور بغیر کسی شرط کے مکمل طور پر نافذ کریں"۔

جہاں تک "جنگ بندی کی تجویز" کا تعلق ہے جس کی قرارداد کا حوالہ دیا گیا ہے، یہ وہی اعلان ہے جو امریکی صدر بائیڈن نے 31 مئی 2024ء کو وائٹ ہاؤس سے کیا تھا۔ اس اعلان میں دیے گئے بیان کا ذکر 31 مئی 2024ء کو وائٹ ہاؤس کی ویب سائٹ پر شائع کیا گیا تھا۔

بائیڈن نے کہا، "اب، میری ٹیم کی جانب سے کی گئی انتھک سفارتکاری اور 'اسرائیل'، قطر، مصر اور دیگر مشرق وسطیٰ کے ممالک کے رہنماؤں سے میری متعدد بات چیت کے بعد، 'اسرائیل' نے ایک نئی جامع تجویز پیش کی ہے... اس نئی تجویز کے تین مراحل ہیں"۔

1۔ بائیڈن نے کہا، "پہلا مرحلہ چھ ہفتوں تک جاری رہے گا۔ اس مرحلے میں: مکمل اور پوری طرح سے جنگ بندی اور غزہ کے تمام آبادی والے علاقوں سے 'اسرائیلی' افواج کا انخلاء شامل ہے... پہلے مرحلے کے چھ ہفتوں کے دوران، 'اسرائیل' اور حماس ضروری انتظامات کے لئے مذاکرات کریں گے تاکہ دوسرے مرحلے تک پیش قدمی ہو

سکے، جو کہ دشمنیوں کا مستقل خاتمہ ہے... لیکن تجویز کے مطابق، اگر پہلے مرحلے میں مذاکرات چھ ہفتوں سے زیادہ وقت لیتے ہیں، تو جنگ بندی تب تک جاری رہے گی جب تک کہ مذاکرات جاری رہیں گے... اور امریکہ، مصر، اور قطر مذاکرات کو جاری رکھنے کے لئے معاونت فراہم کریں گے... جب تک کہ تمام معاہدے تکمیل تک نہیں پہنچ جاتے"۔

2۔ بائیڈن نے پھر کہا، "پھر دوسرا مرحلہ: تمام باقی یرغمالیوں کی رہائی کے بدلے میں تبادلہ ہوگا، جس میں مرد فوجی بھی شامل ہیں؛ 'اسرائیلی' افواج غزہ سے واپس چلی جائیں گی؛ اور جب تک حماس اپنے وعدوں پر قائم رہے گا، عارضی جنگ بندی 'اسرائیلی تجویز' کے مطابق مستقل دشمنیوں کے خاتمے میں بدل جائے گی"۔

3۔ بائیڈن نے کہا، "آخرکار، تیسرے مرحلے میں، غزہ کے لیے ایک بڑے پیمانے پر تعمیر نو کا منصوبہ شروع ہوگا"۔

بائیڈن نے اپنے بیان کا اختتام کرتے ہوئے کہا، "میں نے 'اسرائیل' کی قیادت پر زور دیا ہے کہ وہ اس معاہدے کی حمایت کریں، چاہے جو بھی دباؤ آئے"...

بائیڈن نے مزید کہا، "اور 'اسرائیل' کے عوام سے، میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔ ایک ایسے شخص کے طور پر جس نے 'اسرائیل' کے ساتھ زندگی بھر کا عہد کیا ہے، ایک واحد امریکی صدر کے طور پر جو جنگ کے دوران 'اسرائیل' گیا، ایک ایسے شخص کے طور پر جس نے ایران کے حملے پر 'اسرائیل' کا دفاع کرنے کے لیے امریکی افواج کو بھیجا، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر سوچیں کہ اگر یہ موقع کھو گیا تو کیا ہوگا"۔

بائیڈن نے پھر کہا، "اور اس معاہدے کے ساتھ، 'اسرائیل' خطے میں زیادہ گہرائی سے شامل ہو سکتا ہے، جس میں — آپ سب کے لئے یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں کہ سعودی عرب کے ساتھ ممکنہ تاریخی تعلقات بحال کرنے کا معاہدہ بھی شامل ہے"۔

اس سب سے واضح ہوتا ہے کہ یہ اعلان جارحیت کو طول دینے کے لیے جال اور خطرات سے بھرا ہوا ہے۔ بائیڈن نے مکمل انخلا کا مطالبہ نہیں کیا ہے۔اس کے بجائے وہ صرف "غزہ کے تمام آبادی والے علاقوں سے 'اسرائیلی' افواج کے انخلاء کا مطالبہ کررہا ہے"۔ بائیڈن الفاظ کے ساتھ کھیل رہا ہے اور "مکمل اور پوری طرح سے جنگ بندی... دشمنیوں کا مستقل خاتمہ..." جیسے فقرے استعمال کرکے فریب دے رہا ہے جبکہ بعد میں یہ کہہ رہا ہے کہ، "اگر حماس معاہدے کے تحت اپنی التزامات کو پورا نہ کرے، تو 'اسرائیل' فوجی کارروائی کو دوبارہ شروع کرسکتا ہے"۔اس نے اپنی بات کو سمیٹتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ وہ اور قابض یہودی وجود اس صدی میں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ اس نے کہا، "میں عمر بھر 'اسرائیل' کے ساتھ وفاداری کا عہد کرتا آیا ہوں۔" پھر اس نے ان (یہودی وجود) کو تاریخی معاہدہ کرنے کی خوشخبری دی! اس نے مزید کہا کہ، "اور اس معاہدے کے ساتھ، 'اسرائیل' خطے میں زیادہ گہرائی سے شامل ہوسکتا ہے، جس میں — آپ سب کے لئے یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں کہ سعودی عرب کے ساتھ ممکنہ تاریخی تعلقات بحال کرنے کا معاہدہ بھی شامل ہے"۔

نمایاں طور پر، بائیڈن اعلان میں خود کو غلط ثابت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ، "اسرائیل نے ایک مکمل نئی پیشکش کی ہے،" یعنی، جیسے کہ یہ ایک اسرائیلی پیشکش ہو۔ پھر اس نے اپنے قول کو واپس لے لیا اور کہا، "میں نے 'اسرائیل' کی قیادت کو اس معاہدے کے پیچھے کھڑے ہونے کی سفارش کی ہے..."، یعنی، جیسے کہ یہ ایک اسرائیلی پیشکش نہیں ہے! آخر میں، بائیڈن کے بدنیتی پر مبنی اعلان کے برعکس اس نے کہا کہ مصر اور قطر امریکہ کے ساتھ مل کر اس کے نفاذ کی ضمانت دیں گے۔ "اور امریکہ، مصر اور قطر اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کام کریں گے کہ مذاکرات جاری رہیں... جب تک تمام معاہدے طے نہیں پا جاتے"۔مزید برآں، 9 جون 2024ء کو مجرم یہودی وجود کی طرف سے نصیرات کیمپ میں ایک خوفناک قتل عام کے بعد اس فیصلے کا اعلان ہوا ہے، جس میں 274 فلسطینی شہید ہوئے، اور 698 زخمی ہوئے، یہ ایک ماہانہ دورانیے میں غزہ کے لوگوں کے لیے سرخ خونی دنوں میں سے ایک تھا۔

اے مسلمانو!

عجب نہیں کہ امریکہ اور استعماری کفار اپنے پیدا کردہ یہودی وجود کے ساتھ ہم پر حملہ کریں۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں، آج سے نہیں بلکہ برسوں پہلے سے ... اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہوگی کہ استعماری کفار بین الاقوامی قوانین کا سہارا لیتے ہوئے مسلمان ممالک پر حملہ کردیں۔ یہ اس لیے ہے کہ یہ قوانین پہلے بھی مسلمانوں اور ان کی ریاست "خلافتِ عثمانیہ" کے خلاف اپنی دشمنی دکھا چکے ہیں اور اس دشمنی کا آغاز 1648ء میں ویسٹفیلیا کانفرنس سے ہوا جو بعد میں لیگ آف نیشنز اور پھر اقوام متحدہ بن گیا۔ یہ کسی بھی طرح عجیب بات نہیں ہے۔ لیکن عجیب بات یہ ضرور ہے کہ مسلمان ممالک کے حکمران، فلسطین کے قریبی ملکوں میں ہونے کے باوجود جرائم اور قتل عام کو دیکھتے ہوئے بے کار بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ فلسطین کے معاملے میں خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں، اور حقیقتاً فلسطین کی حمایت کرنے والی افواج کو روکتے ہیں۔ بلکہ ان میں سے سب سے زیادہ قابل مذمت وہ ہیں جو شہادتوں کو گننے کے طریقے میں، یعنی مردوں کے نام پر، اور پھر زخمیوں کو گنتے ہوئے، ایسے برتاؤ کرتے ہیں جیسے وہ ایک غیر جانبدار فریق ہوں لیکن حقیقت میں وہ یہودی وجود کے ساتھ ہیں۔ جو کچھ ہو رہا ہے گویا یہ سب کچھ ایک من گھڑت افسانے میں کسی دور دراز علاقے میں ہو رہا ہے نہ کہ فلسطین کی بابرکت سرزمین میں، جس کے احاطے میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے برکتیں رکھی ہیں۔ مزید یہ کہ غزہ پر یہودیوں کی وحشیانہ جارحیت ایک یا دو دن میں نہیں بلکہ تقریباً نو مہینوں پر محیط تھی۔ اس کے باوجود مسلمانوں کے حکمران بے جان پڑے رہے۔ انہوں نے بین الاقوامی قراردادوں پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جو مسلمانوں کے لیے مہلک تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا سخت احتساب کرے۔ وہ اتنے دھوکے میں کیسے رہ سکتے ہیں؟

اے مسلم ممالک کی افواج:

کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ آپ کی رگوں میں خون ابلنے لگے جیسا کہ آپ غزہ اور درحقیقت پورے فلسطین میں اپنے بھائیوں کے خلاف ہونے والے جرائم اور قتل عام کو دیکھتے اور سنتے ہیں، جو لوگوں، درختوں اور پتھروں کو تکلیف دے رہے ہیں؟! کیا بچوں کے بلکنے کی چیخیں، عورتوں اور بزرگوں کی پکار آپ کو ان کی حمایت پر آمادہ نہیں کرتی؟ اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿وَاِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ﴾ **"اور اگر وہ تم سے دین (کے معاملات) میں مدد طلب کریں تو تم کو اُن کی مدد کرنا لازم ہوگا"** [سورۃ الانفال-72] کیا اللہ عزوجل جو القوی اور

العزیز ہے کی طرف سے نازل کردہ آیات، آپ کو یہودی وجود کے سامنے مردوں کی طرح کھڑے ہونے پر آمادہ نہیں کرتیں؟ اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ﴾ **"ان سے (خوب) لڑو۔ اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب میں ڈالے گا اور رسوا کرے گا اور تم کو ان پر غلبہ دے گا اور مومن لوگوں کے سینوں کو شفا بخشے گا"** [سورۃ التوبۃ-14]۔ کیا اللہ کی اطاعت آپ کے حکمرانوں کی اطاعت سے بہتر نہیں جو اپنی قومی سلامتی کو غزہ اور اس کے عوام کو ترک کرنے کی بنیاد بناتے ہیں، حالانکہ یہ ایک پتھر پھینکنے سے بھی کم دوری پر ان کی پہنچ میں ہے؟ یہ وہ حکمران ہیں جو استعماری کفر کی حمایت کرتے ہیں۔ ان کی فکر صرف اپنے ظالمانہ اقتدار پر قائم رہنے کی ہے۔ اگر آپ ان کی پیروی کریں گے تو وہ آپ کو دنیا میں اور آخرت میں کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔ ان کی بات ماننے پر آپ کے پاس قیامت کے دن کوئی دلیل نہ ہوگی۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ * وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ﴾ **"اس دن (کفر کے) پیشوا اپنے پیروؤں سے بیزاری ظاہر کریں گے اور (دونوں) عذاب (الہیٰ) دیکھ لیں گے اور ان کے آپس کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔ (یہ حال دیکھ کر) پیروی کرنے والے (حسرت سے) کہیں گے کہ اے کاش ہمیں پھر دنیا میں جانا نصیب ہو تاکہ جس طرح یہ ہم سے بیزار ہو رہے ہیں اسی طرح ہم بھی ان سے بیزار ہوں۔ اسی طرح اللہ ان کے اعمال انہیں حسرت بنا کر دکھائے گا اور وہ دوزخ سے نکل نہیں سکیں گے"** [سورۃ البقرۃ:166-167]۔

اے مسلمانوں کی افواج کے جوانو:

یہودی وجود کے لوگ جنگجو یا لڑنے والے لوگ نہیں ہیں۔ بلکہ وہ بزدل ہیں جن پر ذلت اور پستی طاری ہے۔ آپ اپنے بھائیوں میں ایمان والے نوجوانوں کو دیکھتے ہیں جن کے ہتھیاروں کا یہودیوں کے ہتھیاروں سے موازنہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے باوجود وہ ان پر زوردار حملہ کرتے ہیں اور جو یہودی ان کے سامنے سے بھاگتے ہیں وہ اپنی حفاظت کے لیے ہوائی جہازوں میں پناہ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى وَإِنْ

يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ﴾ "اور یہ تمہیں خفیف سی تکلیف کے سوا کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور اگر تم سے لڑیں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کو مدد بھی (کہیں سے) نہیں ملے گی" [سورۃ آل عمران-111]۔ بلاشبہ آپ جانتے ہیں کہ فلسطین ایک بابرکت سرزمین ہے۔ یہ ایک اسلامی زمین ہے جس میں یہودیوں کو کوئی اختیارات حاصل نہیں ہیں، اور نہ دو ریاستی حل کے لیے کوئی جگہ موجود ہے۔ بلکہ، فلسطین کی زمین کو عمر الفاروق (رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں کھولا گیا اور خلفاء راشدین کے زمانے میں اس کی حفاظت ہوتی رہی۔ اس فلسطین کو صلاح الدین ایوبی (رحمتہ اللہ علیہ) نے آزاد کروایا۔ خلیفہ عبدالحمید ثانی نے اسے یہودیوں سے محفوظ رکھا۔ تو بے شک یہ اللہ عزوجل کے سچے سپاہیوں کی کوششوں سے دوبارہ واپس آئے گی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو پورا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **﴿لَتُقَاتِلُنَّ الْيَهُودَ فَلَتَقْتُلُنَّهُمْ﴾ "تم ضرور یہودیوں سے لڑو گے اور انہیں ضرور قتل کرو گے..."**۔ جیسا کہ مسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **﴿وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ﴾ "اور تم کو اس کا حال ایک وقت کے بعد معلوم ہو جائے گا"** [سورۃ ص-88]۔

حزب التحریر

6 ذی الحجہ 1445ھ

12 جون 2024 عیسوی

فہرست

صدی کے محض چوتھائی عرصہ میں ہی، دنیا کی تقریباً نصف سے زائد آبادی کو قحط سالی کا خطرہ لاحق ہے!

بلال المہاجر، پاکستان

ایک ایسا سیارہ جو 70 فیصد سے زیادہ پانی پر مشتمل ہے، اس کے باشندے خشک سالی کا شکار ہیں! اور یہ صورتحال اس حقیقت کے باوجود ہے کہ اس سیارے پر آرٹیفیشل انٹیلیجنس (Artificial Intelligence) سمیت بے مثال تکنیکی ترقی واقع ہو چکی ہے، جو ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے اور ان تک رسائی کو آسان بنانے میں بہت زیادہ مؤثر ہے۔ پینے کے پانی کی قلت سے انسانیت کی بدحالی اور اشیائے خورد و نوش کی قلت کے خطرات اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ عالمی نظام، جس کی نمائندگی دنیا کی موجودہ بڑی طاقتیں کر رہی ہے، زندگی کی بنیادی ضروریات، جیسے پینے کا پانی اور زراعت کی آبپاشی کے لئے پانی، فراہم کرنے میں ناکام رہا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی کسی شخص کے لیے کوئی عذر باقی رہ گیا ہے کہ وہ انسان کے بنائے ہوئے اس نظام کو اسلام کے عظیم نظامِ الٰہی سے بدلنے کے لیے جستجو کرنے کی ضرورت کو نظر انداز کر رہا ہو؟! یا پھر یہ کہ انسانیت بھوک اور پیاس سے مرتی رہے تاکہ ضمیر کو حرکت میں لایا جا سکے!؟

پانی کی فراوانی، قدرتی وسائل اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے باوجود سیکولر نظام لوگوں کی پانی جیسی بنیادی ضرورت فراہم کرنے میں ناکام رہا ہے! اور اس ناکامی سے لوگوں کے امور کی دیکھ بھال میں ناکامیوں کی فہرست میں ایک اور ناکامی کا اضافہ ہی ہوا ہے۔ چنانچہ عرب شاعر کا یہ قول اپنے لغوی معنی میں سچ ثابت ہوتا ہے، نہ کہ استعاراتی معنی میں، **"كالعيس في البيداء يقتلها الظما ... والماء فوق ظهورها محمول"** ''اس صحرائی اونٹ کی طرح، جن کی پیاس ان کو مار ڈالتی ہے... جبکہ پانی ان کی پیٹھوں پر لدا ہوتا ہے''۔

پانی کی قلت سے آنے والی تباہی کے پیمانے کا تعین کرنے کے لئے، ورلڈ ریسورسز انسٹی ٹیوٹ (- WRI World Resources Institute) کی طرف سے 16 اگست 2023 کو شائع ہونے والی ایک نئی رپورٹ پر غور کریں، جس میں کہا گیا تھا، کہ "دنیا کی آبادی کا کم از کم 50%—یعنی تقریباً 4 ارب لوگ—ہر سال کم از کم ایک مہینے کے لئے پینے کے پانی کی شدید کمی کا سامنا کرتے ہیں... پانی کی کمی کا سب سے زیادہ شکار مشرقِ وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے علاقے ہیں، جہاں 83% آبادی کو پانی کی شدید قلت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اور جنوبی ایشیا، جہاں 74% آبادی پانی کی شدید قلت کا شکار ہے... اور امکان ہے کہ 2050 تک کم از کم 1 ارب مزید لوگ پانی کی شدید قلت کا شکار ہو جائیں گے"۔

یکم نومبر، 2021 کی "یو این 2023 واٹر کانفرنس کی وژن اسٹیٹمنٹ" میں کہا گیا ہے، "آج دنیا بھر کی آبادی کا ایک چوتھائی حصہ—یعنی 2 ارب لوگ—پینے کے پانی کے غیر محفوظ ذرائع کا استعمال کر رہے ہیں۔ دنیا کی آبادی کا نصف حصہ—یعنی 3.6 ارب لوگ—بیت الخلاء کی منظم نکاسی کے بغیر رہتے ہیں، اور دنیا میں ہر تیسرا شخص—یعنی 2.3 ارب لوگ-گھر میں ہاتھ دھونے جیسی بنیادی سہولیات سے محروم ہے"۔

آنے والے دہائیوں میں، دنیا کی 60% آبادی کو ان مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے خطے کی صورتحال پانی کی قلت کے لحاظ سے بدترین سمجھی جاتی ہے۔ اس خطے میں دیگر علاقوں کی نسبت کم بارشیں ہوتی ہیں۔ اس خطے کے ممالک کی آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ جس کی وجہ سے پانی کی طلب میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے. ڈبلیو آر آئی (WRI) کی رپورٹ کے مطابق 25 سے زائد ممالک پانی کی شدید قلت کا شکار ہیں، جن میں بحرین، کویت، لبنان، عمان، قطر، امارات، سعودی عرب، مصر، لیبیا، یمن، ایران، اردن، تیونس، عراق، بھارت اور شام شامل ہیں۔ مثال کے طور پر، آج شام میں لاکھوں لوگوں کو پانی میسر نہیں ہے۔ شام میں صاف پانی اور نکاسیِ آب کا زیادہ تر انفراسٹرکچر ناکارہ ہو چکا ہے۔ جس کی وجہ سے پانی کی فراہمی میں انقلاب سے پہلے کے مقابلے میں 40% تک کمی واقع ہوئی۔

بھارت کے غربت زدہ علاقوں کی گلیوں میں، پانی کی ٹینکیوں اور عوامی نلکوں کے سامنے لوگوں کا اپنے برتن کو پانی سے بھرنے کے لئے قطاروں میں کھڑے انتظار کرنے کا منظر ایک عام منظر بن چکا ہے۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق دنیا میں ہر چار میں سے ایک شخص کو پینے کا صاف پانی میسر نہیں ہے!

پانی کی قلت سے پیدا ہونے والا عدم تحفظ دیگر عدم تحفظات کا باعث بنتا ہے۔ مثال کے طور پر، پانی کی کمی بجلی کی بندش کا سبب بن سکتی ہے اور شہر اندھیرے میں ڈوب سکتے ہیں۔ کوئلہ، تیل یا نیوکلئیر توانائی سے چلنے والے روایتی پاور پلانٹس، عام طور پر کولنگ کے لیے بڑی مقدار میں پانی استعمال کرتے ہیں۔ 29 اکتوبر 2019 کو یورپی یونین سائنس ہب کی طرف سے شائع ہونے والے ایک تحقیقی مقالے میں جو کچھ کہا گیا اس کے مطابق، "اوسطاً ہر یورپی شہری کی یومیہ توانائی کی ضرورت کے لیے 1,301 لیٹر پانی کی ضرورت ہوتی ہے"۔ اس طرح ایک سادہ سے حساب سے، سال بھر میں ایک پوری آبادی کے گھروں کو روشن کرنے کے لیے درکار پانی کی مقدار معلوم کی جاسکتی ہے۔

اگر ہم بجلی کی پیداوار پر پانی کی کمی کے سنگین اثرات کو جاننا چاہتے ہیں تو برصغیر بشمول ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کی مثال سے زیادہ واضح مثال نہیں ہے۔ پانی کی کمی خطے کے توانائی کے شعبے کے لیے بڑے مسائل کا باعث ہے۔ ورلڈ ریسورسز انسٹی ٹیوٹ نے اپنی 16 جنوری 2018 کی رپورٹ، "(Parched Power): انڈیا کے پاور سیکٹر کے لیے پانی کی مانگ، رسک، اور مواقع"، میں WRI نے کہا، "بھارت کے 90% تھرمل پاور پلانٹس -- جو ملک کی زیادہ تر بجلی فراہم کرتے ہیں -- کولنگ کے لیے صاف تازہ پانی پر انحصار کرتے ہیں۔ دنیا کی آبادی کے 18% والے ملک بھارت میں جب موسم گرما آتا ہے تو پانی ایک ایسی قیمتی ضرورت بن جاتا ہے جیسے کہ سونا ہو۔ 15 جون 2018 کو، بی بی سی نے رپورٹ کیا، "پانی کی شدید ترین قلت کا سامنا کرتے ہوئے تقریباً 600 ملین افراد کے ساتھ بھارت کو پانی کے بدترین بحران کا سامنا ہے"۔

ورلڈ ریسورس انسٹیٹیوٹ (WRI) کی 16 اگست 2023 کی رپورٹ میں یہ بتایا گیا ہے کہ "Aqueduct کے اعداد و شمار کے مطابق، عالمی جی ڈی پی کا 31 فیصد (یعنی 70 ٹریلین ڈالر کی ایک خطیر رقم) کو

2050 تک پانی کی قلت کی کشیدہ صورتحال کا سامنا کرنے کے لئے صرف کرنا ہوگا، جو کہ 2010 میں عالمی جی ڈی پی کے 24 فیصد یعنی 15 ٹریلین ڈالر تک رہی تھی۔ صرف چار ممالک، بھارت، میکسیکو، مصر اور ترکی 2050 میں اس جی ڈی پی کے نصف سے زائد کے ذمہ دار ہیں"۔

اقوامِ متحدہ کے فوڈ اینڈ ایگریکلچرل ادارے (FAO) نے اپنی رپورٹ "The State of Food and Agriculture 2020" میں کہا ہے کہ "3.2 بلین لوگ پانی کی شدید اور شدید تر قلت زدہ زرعی علاقوں میں رہ رہے ہیں اور ان میں سے 1.2 بلین لوگ (جو کہ دنیا کی آبادی کا تقریباً چھٹا حصہ بنتے ہیں) پانی کی شدید ترین قلت کا شکار زرعی علاقوں میں رہ رہے ہیں"۔ چنانچہ اس طرح پانی کی قلت، خوراک کی کمی کی صورتحال کو مزید ابتر کردیتی ہے۔

موسمیاتی تبدیلیوں اور ان کے نتیجے میں آئندہ آنے والی متوقع خشک سالی، سیلاب اور بارشوں میں غیر متوقع صورتحال کے باعث ہمیں درپیش یہ چیلنجز مزید سنگین ہوتے جائیں گے۔ اقوامِ متحدہ ماہرین کے مطابق، اوسطاً عالمی درجہ حرارت میں تقریباً ہر ایک ڈگری سینٹی گریڈ اضافہ کے ساتھ پانی کے ذخائر میں 20 فیصد تک کی کمی متوقع ہے۔ درجہ حرارت میں اضافہ سطح زمین سے پانی کے بخارات کی شکل میں اُڑ جانے سے واقع ہوتا ہے۔ درجہ حرارت کے اضافہ سے ہونے والی گلوبل وارمنگ سے پانی کی قلت والے علاقوں کی تعداد میں اضافے کا امکان ہے۔

2050 عیسوی تک، کُرۂ ارض کی آبادی 10 ارب نفوس تک تجاوز کرسکتی ہے۔ اور اس آبادی کو اپنی خوراک کا انتظام کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کے لئے دنیا کے لوگوں کو 2010 عیسوی کی نسبت 56 فیصد مزید زرعی اجناس پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اور یہ حقیقت اس کے علاوہ ہے کہ دنیا کی 60 فیصد زراعت پہلے ہی شدید پانی کے بحران کی کیفیت سے دوچار ہے۔ اور خاص طور پر ان فصلوں کے لئے جنہیں آبپاشی کے لئے پانی کی خاصی مقدار کی ضرورت ہوتی ہے جیسے کہ گنا، گندم، چاول اور مکئی۔ تو آنے والی موسمیاتی تبدیلیوں کے ساتھ یہ صورتحال کیا ہوگی؟! کچھ

رپورٹوں کے مطابق اگر فوری حل تلاش نہ کئے گئے تو پانی کی قلت کا ہونا، بعض بنجر علاقوں میں 2030 عیسوی تک ہی لاکھوں افراد کی نقل مکانی کا سبب بن جائے گا۔

ہم اس بات سے بھی بخوبی آگاہ ہیں کہ دنیا کے موجودہ سیاسی نظاموں کو لوگوں کو درپیش ان آفات اور تباہیوں کے حل کے ساتھ سامنے آنا چاہیئے۔ البتہ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان انسانی آفات کی بنیادی وجہ یہی نظام اور وہ سیکولر نظریہ ہیں جس سے یہ نظام پھوٹتے ہیں۔ گلوبل وارمنگ اور دیگر قدرتی حالات کا ان تباہیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر کسی بھی قدرتی آفت کا سامنا کرنے کے لئے انسانی کاوشوں میں باہمی تعاون اور ربط ہوتا تو ان آفات سے آسانی سے نمٹا جاسکتا تھا۔

ان نظاموں کی ناکامی کی واحد بنیادی وجہ ان کے نظریاتی اور سیاسی بوداپن ہونے کے علاوہ ان کے حقیقی حل کو تلاش کرنے میں ناکامی ہے جو کہ اصل میں تباہی لے کر آئے ہیں۔ سرمایہ دار کمپنیاں، جو کہ ہر ایسی آفت یا متعدی مرض کی وبا کی صورتحال میں بھی صرف استحصال اور "سرمایہ کاری" ہی کر رہی ہوتی ہیں، ان کی اس کبھی نہ ختم ہونے والی حرص کو پورا کرنے کی بجائے انسانیت کو ایسے الہامی نظام کی ضرورت ہے جو کہ انسانوں کو بنیادی ضروریات پورا کرنے کی بنیاد پر قائم ہو۔ انسانیت کو ان سیاسی بصیرت رکھنے والے اذہان کی ضرورت ہے جیسی سیاسی بصیرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کی تھی جنہوں نے اپنی توجہ اور ذمہ داریوں کو لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال کے لئے اس حد تک مصروف کرر کھا تھا، کہ انہوں نے فرمایا: **لو عثرت بغلة في طريق العراق لسألني الله عنها لم لم تصلح لها الطريق يا عمر؟** "اگر عراق کے راستے میں کسی خچر کو ٹھوکر بھی لگ جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے سوال کریں گے، اے عمر! تم نے سڑک کیوں نہ ٹھیک کروائی تھی؟"۔

ان حکومتوں کو تبدیل کرنے کے لئے تندہی سے کام کرنا ایک شرعی فریضہ ہے۔ یہ اس بہترین امت کی ذمہ داری ہے جو لوگوں کی فلاح کے لئے اُٹھائی گئی ہے۔ یہ کُرہ اَرض کے تمام لوگوں کی ضرورت ہے جو کہ اب اسلامی دنیا

کے لوگوں سے کچھ کم مشکل حالات میں نہیں رہے۔ پس آگے بڑھیں اور زمین پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نازل کردہ وحی کے ذریعے حکمرانی کو قائم کرنے کے لئے جستجو کریں،تاکہ مویشی سیر ہوں، فصلیں سیراب ہوں اور ہر سُو ہریالی آئے۔

فہرست

سوال وجواب: مسلمان ممالک میں موجودہ حکومتوں کی افواج میں شمولیت رکھنا اور ان کے ساتھ تعلق رکھنا

(عربی سے ترجمہ)

مبدین کیلئے

سوال:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اگر آپ اجازت دیں تو میرا ایک سوال ہے: ان موجودہ حکومتوں کی افواج سے تعلق رکھنے اور ان افواج میں شمولیت اختیار کرنے سے متعلق اسلامی احکام کیا ہیں؟ کیا ایک نوجوان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ ان موجودہ حکومتوں کی افواج میں کام کرے اور اس کے عہدوں میں ترقی پائے... براہ مہربانی وضاحت فرمادیجئے۔

جواب:

وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ،

1- اس سے پہلے بھی ایک پولیس والے یا ایک فوجی کے طور پر کام کرنے کے حوالے سے مورخہ 08 جون، 2013ء کو ہم ایک بیان جاری کرچکے ہیں... جس میں یہ کہا گیا ہے:

- ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں یہ روایت کیا ہے، اور یہ الفاظ ابو یعلیٰ سے مروی ہیں:

"ابو سعیدؓ اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكُونُ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ سُفَهَاءُ يُقَدِّمُونَ شِرَارَ النَّاسِ، وَيَظْهَرُونَ بِخِيَارِهِمْ، وَيُؤَخِّرُونَ الصَّلَاةَ عَنْ مَوَاقِيتِهَا، فَمَنْ أَدْرَكَ ذَلِكَ مِنْكُمْ، فَلَا يَكُونَنَّ عَرِيفاً وَلَا شُرْطِيّاً وَلَا جَابِياً وَلَا خَازِناً»

"تم پر ایک دور ایسا آئے گا جب تم پر احمق اور جابر حکمران ہوں گے جو لوگوں میں سے سب سے بدترین کو آگے لائیں گے اور ان کی خواہشات میں ان کی پیروی کریں گے اور نماز کو اس کے مقررہ وقت سے مؤخر کر دیں گے۔ پس اگر تم اپنے آپ کو اس دور میں پاؤ، تو ایک فوجی، پولیس والا، ٹیکس جمع کرنے والا یا خزانچی نہ بنو..."۔اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ان چاروں اہلکاروں کو احمق حکمرانوں کی حکمرانی تلے کام کرنے سے واضح طور پر منع فرمایا ہے۔

طبرانی نے الصغیر اور الاوسط میں ابو ہریرہؓ کی سند سے یہ حدیث روایت کی ہے: **»فَمَنْ أَدْرَكَ مِنْكُمْ ذَلِكَ الزَّمَانَ فَلَا يَكُونَنَّ لَهُمْ جَابِياً، وَلَا عَرِيفاً، وَلَا شُرْطِيّاً« "تم میں سے جو کوئی بھی اس دور میں ہو تو وہ ان (حکمرانوں) کا ٹیکس جمع کرنے والا نہ بنے، نہ ہی فوجی اور نہ ہی پولیس والا"۔**

لہٰذا اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا: **»فَلَا يَكُونَنَّ لَهُمْ« "لیکن وہ ان کا نہ بنے"**۔یعنی کہ یہ ممانعت قید کے ساتھ وارد ہوئی ہے کیونکہ "اللام" کا لفظ تخصیص کے لیے ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ دوسری حدیث میں وارد ہونے والی ممانعت ان حکمرانوں کے کام سے متعلق ہے جیسا کہ ان کے نجی محافظ بننا، یا ان حکمرانوں کی حفاظت پر مامور سکیورٹی کے ادارے، اور ان حکمرانوں کے مال و دولت کے منتظم، اور اسی طرح دوسرے سکیورٹی ادارے جو ان حکمرانوں کی حفاظت پر تعینات ہیں... کیونکہ بنیادی اصول یہ کہتے ہیں کہ مطلق کا اطلاق مقید پر ہوتا ہے، پھر یہ ممانعت خصوصاً ان پولیس ایجنسیوں میں کام کرنے کے حوالے سے ہے جو ان حکمرانوں کی بالخصوص حفاظت اور سکیورٹی پر مامور ہیں... جہاں تک دیگر عمومی پولیس ایجنسیوں کا تعلق ہے، ان میں کام کرنا جائز ہے۔البتہ یہ ضرور ہے کہ اس جائز ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ لوگوں پر ظلم کیا جائے یا ان کو ان کے حقوق سے محروم رکھا جائے، بلکہ یہ اجازت لوگوں کو ان کے کاموں میں حقوق دلانے کے حوالے سے ہے... رجب الفرد 29، 1434ھ بمطابق 8 جون، 2013ء]

***اس حدیث میں جس شُرْطِيّاً (یعنی پولیس) کا ذکر ہے اسے لسان العرب میں ابن منظور نے بیان کیا ہے:**

[وأَشْرَط فلان نفسَه لكذا وكذا أَعْلَمها له وأَعَدَّها ومنه سمي الشُّرَطُ لأَنهم جعلوا لأَنفسهم علامة يُعْرَفُون بها الواحد شُرَطةٌ وشُرَطِيٌّ... والشُّرْطةُ في السُّلْطان من العلامة والإِعْدادِ ورجل شُرْطِيٌّ وشُرَطِيٌّ منسوب إِلى الشُّرطةِ والجمع شُرَطٌ سموا بذلك لأَنهم أَعَدُّوا لذلك وأَعْلَمُوا أَنفسَهم بعلامات وقيل هم أَول كتيبة تشهد الحرب]

[اور کوئی اپنے آپ کو فلاں فلاں شخص کے لئے مخصوص کرلے، وہ اس شخص کو اس بات سے آگاہ کرے اور اسے تیار کرے۔اور انہیں الشُّرَطُ (جس کے لغوی معنی علامت کے ہیں) اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کے لئے ایک ایسی علامت بنالی ہے کہ جس کے ذریعہ ایک شخص کو پولیس کے طور پر شناخت کیا جاتا ہے...اتھارٹی میں پولیس دراصل علامت اور (جنگ کی) تیاری سے عبارت ہے،اور ایک پولیس اہلکار کو پولیس سے منسوب کیا جاتا ہے،اور شُرَطٌ کی جمع کو پولیس کہا گیا ہے کیونکہ انہوں نے اس کے لئے تیاری کی اور انہیں ان علامتوں سے آگاہ کیا گیا، اور اسی لئے یہ کہا گیا کہ وہ جنگ کا سامنا کرنے والے سب سے پہلے گروہ ہیں...]

***فیروز آبادی کی تالیف قاموس المحیط میں بیان ہے:**

[والشُّرْطَةُ، بالضم: ما اشْتَرَطْتَ، يقالُ: خُذْ شُرْطَتَكَ، وواحِدُ الشُّرَطِ، كصُرَدٍ، وهُمْ أولُ كَتِيبَةٍ تَشْهَدُ الحَرْبَ، وتَتَهَيَّأُ للمَوْتِ، وطائِفَةٌ من أعوانِ الوُلاَةِ م، وهو شُرَطِيٌّ، كتُرْكِيٍّ وجُهَنِيٍّ، سُمُّوا بذلك، لأَنَّهُمْ أعْلَمُوا أنْفُسَهم بعَلاَماتٍ يُعْرَفُونَ بها]

[اور وہ لشُّرْطَةُ (یعنی پولیس) جس کا الحاق کیا گیا ہے: جس کا حوالہ دیا گیا ہے،اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ: اگر ان کی علامت کا جائزہ لیا جائے تو ان میں سے ایک علامت یہ ہے کہ وہ جنگ کا سامنا کرنے اور موت کے لئے تیار رہنے میں سب سے پہلا گروہ ہوتے ہیں،اور وہ گورنروں کے معاونین کا ایک گروہ ہیں،اور وہ ترکوں اور جہنیوں کی طرح کے پولیس والے ہیں،انہیں یہ اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ انہوں نے اپنی شناخت ہی انہی علامتوں سے کی کہ جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں]۔

لٰہذا، جائز ہونے یا نہ ہونے کے حوالے سے جو حکم ایک پولیس اہلکار کے لئے لاگو ہوتا ہے وہی ایک فوجی اہلکار کے لئے بھی لاگو ہوتا ہے۔

اس لئے، مسلمان ممالک کی ملٹری افواج میں کام کرنا جائز ہے اگر یہ ایک ایسی مخصوص فوج نہ ہو جو اس حکمران کی حفاظت پر مامور ہو جو اسلام کے مطابق حکومت نہ کرتا ہو،ایسی صورت میں اس کے لئے رقوم اکٹھی کرنا،اور اس رقم کی رکھوالی کرنا بھی جائز نہیں۔ اگر کوئی شخص ایسے حکمران کی اور اس کی رقم کی حفاظت کرنے کے لئے مخصوص فوج میں کام کرے، تو یہ جائز نہیں۔ لیکن اگر اس کا کام فوج میں دوسرے امور سے متعلق ہے جو اس سے ہٹ کر ہیں تو پھر یہ جائز ہے۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس اجازت کا یہ مطلب نہیں کہ لوگوں پر ظلم کیا جائے یا انہیں ان کے حقوق سے محروم رکھا جائے، بلکہ انہیں ان کے حقوق دلانا ہے،اور ایسا احسن انداز میں کرنا ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ یہ وضاحت کافی ہوگی،اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔

آپ کا بھائی،

عطاء بن خلیل ابوالرشتہ

17 شعبان المعظم، 1445ھ

بمطابق 27 فروری، 2024 عیسوی

فہرست

سوال وجواب: جمہوری نظام میں ووٹ ڈالنا حرام ہے

(عربی سے ترجمہ)

عبدالرحمٰن العمری کے لیے

سوال:

السلام علیکم ورحمۃاللہ وبرکاتہ

ہم یہ جانتے ہیں کہ جمہوریت کے نظام میں ووٹ ڈالنا حرام ہے، مگر کئی ایسے دلائل پیش کیے جاتے ہیں جن کو دیکھتے ہوئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر ووٹ ڈالنا ممکن ہے:

1۔ دو مضر چیزوں میں سے کم ترین مضر کا اصول

2۔ گزشتہ شریعتیں

3۔ ضرورت کی وجہ سے ممنوعہ امور جائز ہو جاتے ہیں۔

4۔ مسلمانوں کے دین اور جان ومال کی حفاظت مقاصدِ شریعت میں سے ہے۔

پوچھنا یہ ہے کہ درج بالا قواعد اس قابل ہیں کہ ان کی بنیاد پر یہ حکم شرعی نکالا جائے یا امت کے مفاد کے لئے ووٹ کا استعمال مباح ہے یا واجب ہے؟

اللہ تعالیٰ آپ کو نیک صلہ دے اور برکت دے۔

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

میرے دوست، ہم اس قسم کے سوالات کا پہلے بھی جواب دے چکے ہیں، انہی سابقہ جوابات میں سے میں یہاں نقل کیے دیتا ہوں:

1۔29 اگست، 2010ء کو کم ترین شر اور کم ترین ضرر کے بارے میں سوال کیا گیا، اور اس کا جواب دیا گیا۔ اس میں یہ کہا گیا تھا کہ:

اَهْوَنُ الشَّرَّين (کم ترین شر) یا اَخَفُّ الضَّرَرَين (کم ترین ضرر) والا قاعدہ

متعدد فقہاء کے نزدیک یہ ایک شرعی قاعدہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو علماء اس پر عمل کرتے ہیں، ان کے نزدیک اس قاعدے کا ایک ہی مطلب ہے اور وہ یہ ہے کہ دو حرام کاموں میں سے ایک پر اقدام کیا جائے، جو دوسرے کی بہ نسبت کم حرام ہو، یہ بھی ایسی صورت میں کہ شرعی طور پر مکلف شخص کے لئے ان دو کاموں میں سے کسی ایک کو کئے بغیر چارہ کار ہی نہ ہو، اس کے لئے ان دونوں حرام کاموں کو چھوڑنا ممکن ہی نہ ہو، اس کے لئے دونوں میں سے ایک کام کرنا ناگزیر صورت اختیار کر گیا ہو؛ اس قسم کی مجبوری تعذر کی صورت ہوتی ہے جہاں معاملہ اس کے بس سے باہر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿**لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا**﴾ "**اللہ تعالیٰ کسی بھی انسان کو صرف اتنی تکلیف دیتا ہے جو اس کے بس میں ہو**" (البقرۃ؛2:286)۔ اور فرمایا: ﴿**فَاتَّقُوا اللهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ**﴾ "**سو جتنا تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرو**" (التغابن؛64:16)۔ یعنی جو علماء اس قاعدے کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہ صرف اس وقت ہی لاگو ہوتا ہے جب دو حرام امور سے واسطہ پڑے اور ان میں سے کسی کو ایک اختیار کرنا بندے کے لیے ضروری ہو چکا ہو، دونوں سے بچنا ممکن ہو، اس طور پر کہ بیک وقت دونوں کو چھوڑنا صرف تب ہی ممکن ہو جب کسی

اور بڑے حرام کا ارتکاب کیا جائے، ایسی صورت میں کم ترین ضرر پر عمل کیا جائے گا، یہ علماء کم ترین ضرر کے حوالے سے انسان کو یہ آزادی دینے کے روادار نہیں کہ وہ کم ترین ضرر کو اپنی خواہش کے مطابق متعین کرے بلکہ شرعی احکام کے مطابق کم ترین کا تعین کیا جائے گا۔

اس قاعدے کو لاگو کرنے کے لئے ان علماء نے جو مثالیں ذکر کی ہیں، ان میں سے چند مثالوں کو ہم یہاں ذکر کرتے ہیں:

- جب ایک ماں زچگی (بچے کی ولادت) میں شدید ترین تکلیف کا سامنا کر رہی ہو اور ماں اور جنین دونوں کو بچانا ناممکن ہو، ایسی صورت میں جلدی فیصلہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، یا تو ماں کو بچایا جائے لیکن اس سے بچے کی موت واقع ہوتی ہے یا پھر بچے کو بچایا جائے لیکن اس کے نتیجے میں ماں کی جان جاتی ہے۔اس قسم کے معاملے کو حل کئے بغیر چھوڑا بھی نہیں جا سکتا، ان دونوں میں سے ایک کو بچانے کے لئے دوسرے کو موت کے حوالے کئے جانے کا فیصلہ فوری کرنا پڑتا ہے ورنہ دونوں کی موت واقع ہو سکتی ہے، اس قسم کی صورت حال میں دو شروں میں سے ہلکا شر یا دو حراموں میں سے کم ترین حرام یا دو خرابیوں میں سے کم ترین خرابی کے قاعدے پر عمل کرنے کی بات کی جاتی ہے اور وہ یہ کہ وہ اقدام کیا جائے جس سے ماں کو بچایا جا سکے، ماں کا بچانا ہی مطلوب ہے، اگرچہ فی نفسہٖ اس سے بچے کا قتل ہو جاتا ہے۔۔۔إلخ (وغیرہ)

اس قاعدے کا یہ تقاضا نہیں کہ کسی انسان کو اگر دو حرام امور سے واسطہ پڑے، وہ ان دونوں سے بچ بھی سکتا ہے مگر اس کے باوجود وہ ان میں سے کم حرام کا ارتکاب کرے، جیسے کچھ لوگ کہتے ہیں، فلاں کو جتواوو، بھلے وہ سیکولر، کافر یا فاسق ہی کیوں نہ ہو، یا فلاں کی تائید کرو، فلاں کی نہ کرو، کیوں کہ پہلا ہمارا کام کرے گا دوسرا نہیں، جبکہ اس موقع پر کہنا یہ بنتا ہے کہ یہ دونوں کام جو ہمیں پیش آئے ہیں، حرام ہیں، لہٰذا رائے دہی میں مسلمانوں کا نمائندہ بننے کے لئے اس سیکولر کو وکیل بنانا یا قائم مقام بنانا اور اس کو منتخب کرنا جائز نہیں، کیوں کہ وہ اسلام کی پابندی نہیں کرتا اور وہ ایسے حرام کام کرے گا جو اس کے موکل کے لئے جائز نہیں، مثلاً قانون سازی اور حرام پروجیکٹس، شرعی حرام مطالبات،

حرام قوانین کو قبول کرنااور اس کا ساتھ دینا، الحاصل وہ معروف کے لئے رکاوٹ اور منکرات کا داعی ہو گا، اس لئے ان میں سے کسی ایک کا انتخاب بھی جائز نہیں، کیوں کہ دونوں کا انتخاب حرام ہے، جبکہ دونوں کے انتخاب کے عمل کو چھوڑنا یعنی کسی ایک کو بھی ووٹ نہ دینا بس کی بات ہے۔۔۔ ختم شد

مذکورہ سوال کے جواب میں پوری بات کی گئی ہے، آپ اسی کو دیکھ سکتے ہیں۔

2- جہاں تک گزشتہ شریعتوں کی بات ہے، اس کی وضاحت بھی ہم نے سوال و جواب مجریہ 3 مئی، 2014ء میں کی تھی، اس میں ہم نے یہ بات کی تھی کہ:

الجواب: جی ہاں بعض درباری مشائخ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں، ان کے یہ اقوال حجت نہیں، کیوں کہ اللہ کے نازل کردہ کے مطابق فیصلہ کرنے کے دلائل واضح، قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ ہیں، ان میں ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل کیا ہے اس کے مطابق فیصلہ کرنا فرض ہے، اللہ سبحانہ فرماتے ہیں: **﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾ "تو آپ (اے پیغمبر!) ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ کے مطابق فیصلہ کریں اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے، اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشات کے پیچھے نہ چلیں"** (المائدۃ؛5:48)۔ اور اللہ عزو جل نے فرمایا: **﴿وَأَنْ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنزَلَ اللهُ وَلاَ تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنزَلَ اللهُ إِلَيْكَ﴾ "اور یہ کہ آپ (اے پیغمبر!) ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ کے مطابق فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کے پیچھے نہ چلیں اور اس بات سے دور رہنا کہ وہ تمہیں اللہ کے نازل کردہ بعض احکامات سے پھیر دیں"** (المائدۃ؛5:49)۔ اس کے بارے میں بہت زیادہ نصوص آئی ہیں۔ جہاں تک اللہ کے نازل کردہ کے مطابق حکومت نہ کرنے اور انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل درآمد کی بات ہے تو یہ کفر ہے بشرطیکہ انسانوں کو حاکم یا قانون ساز ہونے کا عقیدہ رکھے، ایسا عقیدہ نہ ہو تو ظلم اور فسق تو ہے ہی، یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں آیا ہے: **﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنزَلَ اللهُ فَأُوْلَئِكَ هُمْ الْكَافِرُونَ﴾ "اور جو اللہ کے نازل کردہ کے مطابق فیصلے نہ کریں وہ کافر ہیں"** (المائدۃ؛5:44)۔ اور فرمایا:

﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنزَلَ اللهُ فَأُوْلَئِكَ هُمْ الظَّالِمُونَ﴾ **"اور جو اللہ کے نازل کردہ کے مطابق فیصلے نہ کریں وہ ظالم ہیں"**(المائدۃ؛5:45)۔اور فرمایا: ﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنزَلَ اللهُ فَأُوْلَئِكَ هُمْ الْفَاسِقُونَ﴾ **"اور جو اللہ کے نازل کردہ کے مطابق فیصلے نہ کریں وہ فاسق ہیں"**(المائدۃ؛5:47)۔ان درباری علماءومشائخ نے جو دلیل پیش کی ہے وہ جیسا کہ ہم نے کہا، دلیل نہیں۔

- مصلحت یا مفاد کو دلیل بنانا بھی بے جا ہے، ہم اس کو اس طرح دیکھتے ہیں:

اصول الفقہ کے علماء میں سے بعض علماء مصلحہ کا قول کرتے ہیں، مگر انہوں نے اس کے لئے یہ شرط کر دیا ہے کہ جہاں مصلحہ (مفاد) پیش نظر ہے، اس معاملے میں شریعت میں کوئی امر یا نہی نہ آئی ہو، اگر ایسے موقع پر شریعت میں امر و نہی آئی ہے تب مصلحہ پر عمل نہیں کیا جائے گا بلکہ اسی حکم کو لیا جائے گا جو شریعت میں وارد ہوا ہے۔ معتبر علمائے اصول میں سے کسی نے بھی وحی میں آمدہ نصوص کو معطل یا بے اثر کرنے کی بات نہیں کی، یہ دلیل دے کر کہ مصلحت کا تقاضا یہی تھا۔ایسی کوئی بات ان سے منقول نہیں۔

مثلاً سود حرام ہے، اس کو شریعت نے ایسے نصوص کے ساتھ حرام قرار دیا ہے جو وحی سے ہیں، تو جب مصلحت سود کا تقاضا کرتی ہو، شرع ایسی مصلحت کو مسترد کرتی ہے اور حرام کہتی ہے، ایسے میں اگر کچھ اشخاص جو علماء کہلاتے ہیں اٹھتے ہیں اور وہ ایسی کسی مصلحت کی بنا پر سود کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں تو ان کے فتویٰ کو دیوار پر مار دیا جائے گا، ایسا فتویٰ نا قابل قبول اور مردود ہو گا۔ کیوں کہ یہ وحی کے صریح نصوص سے متصادم ہے۔

جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اس کے علاوہ کسی اور چیز سے حکمرانی کرنے کا جہاں تک سوال ہے تو وہ قطعی طور پر حرام ہے، اتنا جتنا سود حرام ہے، کیونکہ وحی کے نصوص یہی کچھ لے کر آئے ہیں۔ لہٰذا مصلحت (مفاد) کو فیصلے کے لئے بنیاد بنانے کی کوئی جگہ نہیں بچی ہے، سو جہاں شریعت ہے، وہیں مصلحت ہے، اس کے برعکس ایسا نہیں کہ جہاں مصلحت ہے وہاں شریعت ہے۔

ہم اپنی اس تحقیق میں ان علماء سے اختلاف کرتے ہیں جنہوں نے اس حوالے سے تساہل برتا اور جو مصالح مرسلہ کے قائل ہیں، ان کے پاس اپنے نظریے کی صحت کے لیے مصلحت کو دلیل بنانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اگرچہ حقیقت یہ ہے کہ مصالح مرسلہ کا کوئی وجود ہی نہیں، البتہ ان لوگوں کی نظروں میں موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ شرع نے کچھ چیزوں کو غیر منظم چھوڑا ہے، یعنی ان کے بارے میں کوئی امر یا نہی نہیں دی، اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک مصالح مرسلہ کے استعمال کا میدان یہی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ شریعت نے کچھ امور کو ان کا حکم بیان کئے بغیر نہیں چھوڑا بلکہ ہر چیز کا حکم بیان کر دیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿تِبْيَاناً لِكُلِّ شَيْءٍ﴾، **"ہر چیز کے لئے بیان ہے"** (النحل؛16:89)، ﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ﴾ **"ہم نے اس کتاب میں کوئی کمی نہیں چھوڑی"** (الانعام؛6:38)۔ ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيناً﴾ **"آج کے دن ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر کے دیدیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا"** (المائدۃ؛5:3)۔

- خلاصہ یہ ہے کہ کفریہ حکومتوں میں شراکت اور اللہ کے نازل کردہ کے علاوہ سے حکمرانی کفر ہے، اگر اللہ کے نازل کردہ کے علاوہ سے حکمرانی کرنے والا حکمران کا یہی عقیدہ ہو اور اگر اس قسم کی حکمرانی کا عقیدہ نہ رکھتا ہو تو ایسا حکمران فاسق اور ظالم ہے۔ جیسا کہ آیات کریمہ میں آیا ہے: ﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُوْلَئِكَ هُمْ الْكَافِرُونَ﴾ **"اور جو اللہ کے نازل کردہ کے مطابق فیصلے نہ کریں وہ کافر ہیں"** (المائدۃ؛5:44)۔ اور فرمایا: ﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُوْلَئِكَ هُمْ الظَّالِمُونَ﴾ **"اور جو اللہ کے نازل کردہ کے مطابق فیصلے نہ کریں وہ ظالم ہیں"** (المائدۃ؛5:45)۔ اور فرمایا: ﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُوْلَئِكَ هُمْ الْفَاسِقُونَ﴾ **"اور جو اللہ کے نازل کردہ کے مطابق فیصلے نہ کریں وہ فاسق ہیں"** (المائدۃ؛5:47)۔ جو لوگ یہ بات کرتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ سے حکومتی نظام میں مسلمان کے لئے شرکت جائز ہے، ان کے پاس اس پر کوئی دلیل تو کجا برائے نام دلیل بھی نہیں، کیوں کہ دلیل تو نص ہو سکتی ہے اور نصوص اس کی ممنوعیت کے حوالے سے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہیں۔

امید ہے جواب بالکل واضح اور کافی وشافی ہے، ان شاءاللہ !

رجب 1435ھ بمطابق 3 مئی، 2014ء] جواب ختم۔

مکمل اور تفصیلی جواب اس سوال کے جواب میں موجود ہے، اس میں حضرت یوسف علیہ السلام اور نجاشی کے بارے میں بھی بات کی گئی ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی تھی، تو آپ وہاں دیکھ سکتے ہیں، اس جواب سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پیش کردہ دلائل جمہوری انتخابات اور انسانی قانون سازی کے لئے اور کفریہ نظام حکومت پر یقین وغیرہ کے جواز پر منطبق نہیں ہوتے۔

چونکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ مقاصد شریعت کے بارے میں جو آپ نے پوچھا ہے، بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ مقاصد شریعت وہ ہیں جن سے مصلحت حاصل ہوتی ہے، وہ مصلحت کو احکام کے لئے علت قرار دیتے ہیں، تو ان کے اندازے کے مطابق جس چیز میں مصلحت ہوگی تو وہ جائز ہوگی، لیکن یہ کہنا اس لئے صحیح نہیں کہ جہاں جہاں اللہ تعالیٰ نے احکام کے مقاصد بیان کیے ہیں وہ مقاصد ان احکام کے اندر حکمت الٰہی کے مظاہر ہوتے ہیں، ان احکام کے لئے وہ مقاصد علت نہیں ہوتے، اس لئے اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی دیگر معانی پر قیاس کیا جائے گا جو ان کے اندر پائے جائیں،، ایسے مقاصد ہر حکم کے ساتھ خاص ہوتے ہیں، اس سے باہر کسی اور جانب متعدی نہیں ہوتے، وہ مقاصد کبھی حاصل ہو جاتے ہیں اور کبھی نہیں، ایسے مقاصد کا شرعی علتوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، نہ ہی اس میں قیاس چلتا ہے، بلکہ یہ اللہ کی حکمتوں میں سے ایک حکمت ہوا کرتی ہے۔

کتاب شخصیہ جلد نمبر 3 میں "باب مقاصد الشریعہ" کے تحت تفصیل سے یہ بحث کی گئی ہے جہاں مصلحتوں کا حصول اور نقصانات سے بچاؤ پر بات کی گئی ہے، وہاں آیا ہے:

(۔۔۔پہلا گروہ جو حصول مصلحہ اور دفع مفسدہ کو پوری اسلامی شریعت کے لئے ایک علت کے طور پر لیتے ہیں اور ہر شرعی حکم کے لئے بھی اس کو علت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ہر حکم میں وہ یہ شرط قرار دیتے ہیں کہ مصلحت وہ

معتبر ہو گی جس پر شرعی دلیل دلالت کرتی ہو، تو اس گروہ کو جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حصول مصلحہ اور دفع مفسدہ کو علت ماننا یا تو عقلی دلالت کی بنیاد پر ہو گا یا شرعی دلالت کی بنیاد پر۔ اگر بات عقل کی ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

اس بنا پر حصول مصلحہ اور دفع مفسدہ کو اس لئے علت سمجھنا کہ اس پر عقل دلالت کرتی ہے، یہ ایک باطل بات ہے، اس کی کوئی قیمت نہیں، اس لئے ضروری یہ ہے کہ اس کا شریعت کی رو سے علت ہونا ثابت کیا جائے، عقل کی رو سے نہیں۔ بالخصوص جب کہ شرعی احکام میں صرف شرعی علت ہی علت ہو سکتی ہے، مطلق علت، علت نہیں بنتی۔

جہاں تک ان کے اس استدلال کا تعلق ہے کہ حصول مصلحہ اور دفع مفسدہ قرآن، حدیث اور اجماع کی وجہ سے علت کی حیثیت کی حامل ہے تو یہ استدلال بھی باطل اور بے سر و پا ہے۔ قرآن و سنت کے حوالے سے تو بات یہ ہے کہ جن آیات کو انہوں نے دلیل بنایا ہے وہ سرے سے علت کے ہونے پر دلالت ہی نہیں کرتے، نہ اس کے الفاظ اور نہ ہی اس واقع کے اعتبار سے جس کے لئے وہ نصوص اور آیات وارد ہوئی ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں ﴿**وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ**﴾ **"اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے"**(الانبیاء؛21:107)۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿**وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ**﴾ **"اور میری رحمت ہر چیز تک پہنچی ہوئی ہے"**(الاعراف؛7:156)، اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد مبارک سے کہ **((لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ)) "نہ ضرر دینا ہے اور نہ ضرر اٹھانا ہے"**(حاکم)۔ ان میں ان کے دعویٰ پر کوئی دلیل نہیں۔

چنانچہ یہ اس پر دلالت نہیں کرتے کہ مصلحہ کا حصول اور ضرر سے بچاؤ احکام شرعیہ کی علت ہے، اس میں اگر کسی چیز پر کوئی دلالت ہے تو وہ یہ کہ اسلامی شریعت کلی طور پر مفاسد سے پاک ہے۔ شریعت کے بارے میں اس تصور سے یہ مطلب اخذ کرنا قطعاً درست نہیں کہ اب یہ پوری شریعت کے لئے یا اس کے کسی متعین حکم کے لئے علت ہے، کیونکہ اس نفی سے دلیل معلوم نہیں ہوتی۔

بنابریں قرآن و حدیث کے نصوص میں اگرچہ یہ دلالت موجود ہے کہ شریعت سے جو چیز بطور نتیجہ کے حاصل ہوتی ہے وہ وہی ہے یعنی مفادات کا حصول اور نقصانات کی روک تھام، مگر یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ مفادات کا

حصول اور نقصانات کی روک تھام کو شریعت کی تشکیل کے لئے علت سمجھا جائے یا شریعت کے ہر ہر حکم کے لئے اس کو علت بنایا جائے، لہذا یہ استدلال سے تو رہا۔

جہاں تک ان کے خیال میں اجماع کا تعلق ہے تو کہتے ہیں کہ اس پر فقہ کے اماموں کا اجماع ہے، ان اس بات میں بھی کوئی وزن نہیں، کیوں کہ شرعی دلیل کے طور پر جو اجماع معتبر ہے وہ اجماع صحابہ ہے، دوسرا کوئی اجماع نہیں، اس لیے جس اجماع کو وہ دلیل خیال کرتے ہیں، وہ اجماع ہی نہیں۔

اس بنا پر ایسی کوئی مصلحہ موجود نہیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ اسی کو پوری کی پوری شریعت سمجھا جائے، نہ ہی کلی نصوص سے یہ بات معلوم ہوتی ہے نہ ہی مجموعی شریعت سے اس کو اخذ کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ مصلحہ کو شرعی علت سمجھنا بنیاد سے ہی باطل ہے۔ کیوں کہ شریعت میں ایسی کوئی مصلحہ موجود نہیں جو شریعت کی تشکیل کے لئے علت سمجھی جاتی ہو، نہ کوئی ایسی شرعی مصلحہ موجود ہے اور نہ غیر شرعی۔

شخصیہ جلد 3 میں یہ پوری ڈسکشن موجود ہے، مزید معلومات کے لئے اس کو دیکھیے۔

3- جہاں تک اس قاعدے کا تعلق ہے کہ "مجبوری کی وجہ سے ممنوعہ چیزیں مباح ہو جاتی ہیں" تو ہم نے اس کا جواب پہلے 26 جنوری، 2016ء کو دیا تھا، اور اس میں کہا گیا تھا:

(بعض علماء نے "مجبوری کی وجہ سے ممنوعہ چیزیں مباح ہو جاتی ہیں" کے اصول کو اپنایا ہے۔ جو لوگ اس قاعدہ کے حامی ہیں انہوں نے اس کی کچھ دلیلیں نقل کی ہیں جیسے کہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 173 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ "اس نے تو تمہارے لئے صرف مردار جانور، خون اور سُور کا گوشت اور وہ جانور حرام کئے ہیں جس کے ذبح کے وقت غیرُ اللہ کا نام بلند کیا گیا۔ ہاں جو مجبور ہو جائے (اور وہ ان چیزوں میں سے کھالے) جبکہ اس کا مقصد نہ لذت حاصل کرنا ہو اور نہ وہ (ضرورت کی) حد سے آگے

بڑھنے والا ہو، تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بیشک اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے"(سورۃ البقرۃ: 173)اور سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر 3 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿**فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ**﴾ **"تو جو شخص بھوک میں ناچار ہو جائے (بشرطیکہ) گناہ کی طرف مائل نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے"**(سورۃ المائدۃ: 3)۔ اور سورۃ النحل کی آیت نمبر 115 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿**إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ**﴾ **"اس نے تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے حرام کر دیا ہے، ہاں اگر کوئی ناچار ہو جائے تو بشرطیکہ لذت کا طلب گار نہ ہو اور نہ حد سے نکلنے والا ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے"**(سورۃ النحل:115)

جو بھی اس اصول کو دیکھے گا وہ سمجھ جائے گا کہ یہ غلط ہے:

جو لوگ اس قاعدہ کے حامی ہیں ان کی طرف سے پیش کردہ دلائل اس بات کی طرف اشارہ نہیں کرتے جس کے لیے انھوں نے ان دلائل سے استدلال کر لیا ہے، بلکہ اس سے اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ بھوک کی وجہ سے اضطرار (شدید مجبوری) کی حالت میں مردہ گوشت وغیرہ کھانا جائز ہے: ﴿**فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ**﴾ **"پس جو شخص بھوک پیاس کی شدت میں ناچار (مجبور) ہو"**(سورۃ المائدۃ: 3)۔ لفظ "المخمصة" اس بھوک اور فاقے کو کہتے ہیں جو موت کے قریب کر دے۔۔۔ تو اس حالت میں حرام کھانا جائز ہو جاتا ہے۔۔۔ جیسا کہ آیت میں واضح ہے، اضطرار (شدید مجبوری) ہلاکت کے قریب لے جانے والی بھوک تک محدود ہے اور اس کے علاوہ پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ یہ لفظ عام یا مطلق نہیں ہے کہ اپنے معنی کے علاوہ دیگر امور کو بھی شامل ہو سکے بلکہ یہ بھوک تک محدود ہے۔۔۔۔

لہٰذا، یہ قاعدہ اس وقت غلط ہے جب عمومی طور پر لاگو کیا جائے جیسا کہ اس کے کہنے والوں نے کیا ہے۔ درست بات یہ ہے کہ اس قاعدہ کے حامیوں نے جن دلائل پر اعتبار کیا وہ اس بات کی دلیل ہیں کہ اضطرار (شدید مجبوری) کی

حالت میں بطورِ استثناء ایک مسلمان کے لئے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ کھانے پینے کی چیزوں میں سے ضرورت کے مطابق کھانا پینا جائز ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ یہ کسی اور چیز کی دلیل نہیں ہے۔ دوسرے معاملات میں، ضرورت کے وقت استثناء کی اجازت کے لئے، دوسرے دلائل کی ضرورت ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں یہ قاعدہ ہر حرام چیز کو مباح بنانے کے لئے استعمال ہونے والا ایک آلہ بن گیا ہے جس میں لفظ "ضروریات" کو ایک ڈھیلا لفظ بنا دیا جاتا ہے جس میں ان کی تشریح کے مطابق بہت سے معاملات شامل ہیں جنہیں وہ دیکھتے ہیں یہاں تک کہ ضروت کا نام لے کر حرام چیزوں میں پڑ جانے کی بہتات ہو گئی ہے!۔۔۔

16 ربیع الآخر 1437ھ–26 جنوری، 2016 عیسوی]

سوال کے جواب میں یہ معاملہ پوری تفصیل سے موجود ہے۔۔۔ اور آپ اس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔۔۔ اس سے واضح ہے کہ اس معاملے سے موجودہ جمہوری انتخابات، اس کے اہم ترین حصے یعنی انسانی قانون سازی اور کفر کی حکمرانی کی توثیق وغیرہ کا جائز ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

4- ہم 03 فروری، 2016ء اور 19 جون، 2022ء کو انتخابات میں حصہ لینے کے حکم کے بارے میں تفصیل سے جواب دے چکے ہیں۔ آپ مذکور جوابات کی طرف رجوع کر سکتے ہیں کیونکہ وہ کافی ہیں، اور اللہ سب سے زیادہ جاننے والا اور سب سے زیادہ حکمت والا ہے۔

آپ کا بھائی،

عطاء بن خلیل ابوالرشتہ

18 ذوالقعدہ 1445ھ

بمطابق 26 مئی، 2024 عیسوی

فہرست

سوال کا جواب: کھلے عام کلمۂ حق بلند کرنا

(عربی سے ترجمہ)

مصطفی علی ابراہیم کیلئے

سوال:

السلام علیکم ورحمتہ اللہ، میرا ایک سوال ہے۔ سورۃ یونس آیت نمبر 90اور سورۃ طٰہٰ کی آیت نمبر 78 میں سے پہلی آیت میں آیا ہے کہ فرعون اور اس کے سپاہیوں نے ان کا پیچھا کیا جبکہ دوسری آیت میں آیا ہے کہ فرعون نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ حاکم کا حکم اور حاکم کا عمل ایک ہی چیز ہے، تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کے حکم کے خلاف کھڑا ہونا اس کے عمل کے خلاف کھڑا ہونے کے مترادف ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم حاکم کی پولیس یا اس کے معاونین کے سامنے اسی طرح کلمہ حق کہیں، جیسے حاکم کے سامنے کہنے کا حکم ہے کہ ۔۔۔۔۔۔بہترین جہاد ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے.... شکریہ۔ آپ کو سوال کے الفاظ میں ترمیم کرنے کا حق ہے، اور اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

ختم شد

جواب:

وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

اول: سوال میں مذکور دو آیات میں سے ایک سورۃ یونس کی آیت نمبر 90 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْياً وَعَدْواً﴾ **"اور ہم بنی اسرائیل کو دریا پار لے گئے اور فرعون اور اس کے لشکر نے سرکشی اور دشمنی کے ساتھ ان کا تعاقب کیا"** اور سورۃ طٰہٰ کی آیت نمبر 78 میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُمْ مِنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ﴾ **"پھر فرعون نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ ان کا تعاقب کیا، تو دریا (کی موجوں) نے ان پر چڑھ کر انہیں ڈھانپ لیا"**۔ گویا آپ (اپنے سپاہیوں) کے الفاظ میں حرف "واؤ" اور حرف "ب" کے استعمال سے ماخوذ معنی کے فرق کی نشاندہی کر رہے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ پہلی آیت میں فرماتے ہیں، ﴿فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ﴾ **"پس فرعون اور اس کے لشکروں نے ان کا تعاقب کیا"** جبکہ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ﴾ **"پس فرعون نے ان کا تعاقب کیا، اس کے لشکروں کے ساتھ"** اور "ان کی پیروی" کا معنی یہ ہے کہ اس نے ان کا پیچھا کیا اور ان تک پہنچ گیا اور ان کو پکڑ لیا جیسا کہ تفسیری کتابوں میں مذکور ہے۔

لیکن پہلی آیت (فرعون اور اس کے سپاہیوں) کے مطابق فرعون خود ان کا تعاقب کرنے والوں میں سے تھا، یعنی موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے تعاقب میں فرعون (اس پر اللہ کی لعنت ہو) نے تعاقب میں حصہ لیا تو وہ ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے ان کا پیچھا کیا اور ان کو پکڑ لیا، اس لیے کہ یہاں لفظ ([وجنوده] اور اس کے سپاہیوں) میں حرف "و" شرکت کی طرف اشارہ کرتا ہے، یعنی فرعون اور اس کے سپاہی بنی اسرائیل کے تعاقب میں شریک تھے۔

جہاں تک دوسری آیت (فرعون اپنے سپاہیوں کے ساتھ) کا تعلق ہے تو اسے اس اعتبار سے سمجھا جا سکتا ہے کہ فرعون نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ تعاقب میں حصہ لیا تھا، لیکن اس لغوی معنی سے یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ فرعون نے خود شرکت نہیں کی اور ان کے ساتھ نہیں نکلا بلکہ صرف تعاقب میں ان سے مدد طلب کی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لغت میں حرف "ب" ساتھ دینے اور مدد طلب کرنے پر دلالت کرتا ہے۔ آیت میں لفظ (اپنے سپاہیوں کے ساتھ) ساتھ دینے کے طور پر استعمال ہو سکتا ہے، تو فرعون اپنے سپاہیوں کے ساتھ بنی اسرائیل کے تعاقب میں گیا... اور اس کا

مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے مدد مانگی، یعنی وہ ان کے ساتھ گیا، یا اس نے اپنے سپاہیوں سے ان کے ساتھ شریک ہوئے بغیر بنی اسرائیل کا تعاقب کرنے کے لیے مدد مانگی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا تعاقب کرنے والے فرعون کے سپاہی تھے نہ کہ خود فرعون۔

دونوں معنی (ساتھ یا مدد) میں سے کسی ایک کا تعین ان دونوں آیات کو جمع کرنے سے ظاہر ہو جاتا ہے:

پہلی آیت کا مفہوم ایک ہی معنی پہ دلالت کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ فرعون (اس پر اللہ کہ لعنت ہو)، خود ان کے ساتھ ہو گیا، یعنی موسیٰ علیہ السلام کو پکڑنے میں ان کا ساتھی بن گیا... دوسری آیت کے مفہوم میں ایک احتمال یہ ہے کہ اس کا مطلب ساتھ دینا ہے، یعنی موسیٰ علیہ السلام کو پکڑنے میں ان کا ساتھ دینا، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کا مطلب مدد لینا ہے، یعنی اس نے پکڑنے کے لیے اپنے سپاہیوں سے مدد لی جبکہ فرعون (اس پر اللہ کہ لعنت ہو) نے بذاتِ خود ان کا ساتھ نہ دیا... اور چونکہ دونوں آیات کا مفہوم ایک دوسرے سے متصادم نہیں ہے، اس لیے دونوں آیات کو جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ فرعون اپنے لشکر کے ساتھ تعاقب میں موجود تھا۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں "اپنے سپاہیوں کے ساتھ" کا لفظ ساتھ دینے کے معنی پر دلالت کرتا ہے، یعنی اس نے موسیٰ علیہ السلام کی پیروی میں اپنے لشکر کا ساتھ دیا۔ یہ دونوں آیات کے معنی کے حوالے سے ہے۔

دوم: جہاں تک سوال میں مذکور حدیث شریف کا تعلق ہے، اسے ترمذی نے اپنی سنن میں ابو سعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **«إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْجِهَادِ كَلِمَةَ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ»** **"بے شک سب سے عظیم جہاد ظالم حکمران کے سامنے کلمہ عدل کہنا ہے"**۔ ابو اے عیسیٰ اور ابو امامہ کی سند پر، اور یہ حدیث حسن غریب کے درجے پہ ہے۔ الطبرانی کی المعجم الکبیر میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **«أَحَبُّ الْجِهَادِ إِلَى اللهِ كَلِمَةُ حَقٍّ تُقَالُ لِإِمَامٍ جَائِرٍ»** **"اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ جہاد ظالم امام کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے"**۔ طبرانی کی ایک اور روایت میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے جمرات کے پاس عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سا

جہاد افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: **«أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ» "بہترین جہاد ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے"**۔ اس حدیث کی تشریح میں عون المعبود کی کتاب میں درج ذیل بیان کیا گیا ہے: [...ابو سعید الخذری نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: بہترین جہاد ظالم حکمران یا ظالم امیر کے سامنے کلمہ عدل کہنا ہے۔ عون المعبود کے مصنف کہتے ہیں:

(افضل ترین جہاد...): یعنی یہ جہاد کی افضل ترین قسم ہے اور اس کی دلیل ترمذی کی روایت ہے کہ سب سے عظیم جہاد عدل پر مبنی کلمہ ہے اور ابن ماجہ کی روایت کے مطابق یہ کلمہ حق ہے۔ اور کلمہ سے مراد وہ امر ہے جو نیکی کا حکم دے یا برائی سے منع کرے، جیسے کہ کوئی کلام یا اس کے معنی میں کوئی چیز مثلاً کوئی تحریر وغیرہ۔

(ایک ظالم حکمران کے سامنے): یعنی ظالم، یہ سب سے افضل جہاد ہے... کیونکہ جو کوئی دشمن سے لڑتا ہے، تو وہ امید اور خوف کے درمیان چلتا ہے ہے اور اسے یہ نہیں پتہ ہوتا کہ وہ غالب آئے گا یا مغلوب ہو جائے گا۔ جبکہ حاکم کے ہاتھ میں جبر کرنے کی طاقت ہوتی ہے، پس اگر وہ سچ بولتا ہے اور معروف کا حکم دیتا ہے تو اس کو نقصان پہنچایا جاتا ہے، اور وہ اپنے آپ کو ہلاکت پر لا کھڑا کر دیتا ہے۔ پس اس خوف کے غلبے کی وجہ سے یہ جہاد کی افضل ترین قسم ہے۔ الخطابی اور دیگر نے بیان کیا کہ (یا ظالم حکمران کے سامنے): ایسا لگتا ہے کہ اس نے راوی پر شک کیا ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ بہترین جہاد یہ ہے کہ ظالم سلطان کے سامنے کلمہ حق کہے، نہ کہ اس کے پیروکاروں کے سامنے۔ ظالم سلطان سے مراد ظالم حکمران ہے، چاہے وہ صدر ہو، بادشاہ ہو، وزیر اعظم ہو یا گورنر، اس کے پاس اختیار اور حکمرانی ہونی چاہیے تاکہ اس کے سامنے کلمہ حق کہنے کی فضیلت صادق آئے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ظالم حکمران کے پیروکاروں کے سامنے کلمہ حق کہنے میں کوئی فضیلت نہیں، کلمہ حق کہنا ہمیشہ اچھا اور افضیلت والا عمل ہے، البتہ خاص فضیلت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں مذکور ہے اور جس پر ہم غور کر رہے ہیں، تو وہ اختیار رکھنے والے، یعنی خود حاکم سے متعلق فضیلت کی بات ہے، اس لیے کہ اس کے سامنے کلمہ حق کہنے کی خاص اہمیت ہے اور اس میں خطرہ، ہمت اور بہادری کے عنصر شامل ہیں جیسا کہ حدیث کے بعض

مفسرین نے ذکر کیا ہے۔[...الخطابی نے کہا: بے شک یہ سب سے افضل جہاد ہے... کیونکہ جو کوئی دشمن سے لڑتا ہے، تو وہ امید اور خوف کے درمیان چلتا ہے ہے اور اسے یہ نہیں پتہ ہوتا کہ وہ غالب آئے گا یا مغلوب ہو جائے گا۔ جبکہ حاکم کے ہاتھ میں جبر کرنے کی طاقت ہوتی ہے، پس اگر وہ سچ بولتا ہے اور معروف کا حکم دیتا ہے تو اس کو نقصان پہنچایا جاتا ہے، اور وہ اپنے آپ کو ہلاکت پر لا کھڑا کر دیتا ہے۔ پس اس خوف کے غلبے کی وجہ سے یہ جہاد کی افضل ترین قسم ہے۔ المظہر نے کہا: یہ اس لیے افضل ہے کہ سلطان کی ناانصافی اس کے دور حکومت میں ہر ایک پر ہوتی ہے، اور یہ بہت بڑی تعداد ہوتی ہے، لہٰذا اگر وہ ظلم سے منع کرتا ہے، تو ایک کافر کو قتل کرنے کے مقابلے میں، یہ بات بہت سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہے۔۔۔۔]

یہ ساری گفتگو خود ظالم حکمران کے بارے میں ہے، اس کے پیروکاروں، معاونین اور سپاہیوں کے بارے میں نہیں۔

آپ کا بھائی

عطاء بن خلیل ابوالرشتہ

17 رجب الخیر 1445ھ

بمطابق 2024/01/29 عیسوی

فہرست

میڈیا پیغام:: 11 مئی 2012 سے، ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کے ترجمان، نوید بٹ جبری گمشدہ ہیں کیونکہ وہ خلافت راشدہ کے داعی ہیں

ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس

نوید بٹ کو 11 مئی 2012 سے اغوا کر کے اب تک مسلسل مغوی بنا کر رکھنا ایک بہت بڑا گناہ اور ان انسانی حقوق کی کھلی خلاف ورزی ہے، جس کا یہ دعویٰ کرتے ہیں۔ نوید بٹ پر کسی دہشت گردی، عسکریت، بغاوت پر اکسانے یا غداری کا مقدمہ درج نہیں، بلکہ ان پر تو مکھی مارنے یا درخت سے پتا توڑنے تک کا بھی کیس موجود نہیں۔ اُن کے اغوا کے بعد سے کئی عسکری اور سیاسی قیادتیں بدل چکی ہیں، تاہم، نوید اب تک آزاد نہیں کیے گئے کہ وہ دوبارہ خلافت راشدہ کے لیے آواز اٹھا سکیں۔ آخر ایسا کیوں ہے؟! اگرچہ اس تمام عرصے کے دوران عسکری اور سیاسی قیادتیں آتی اور جاتی رہی ہیں، لیکن ان سب کا آقا، امریکہ، موجود رہا ہے۔ عالم اسلام کو ایک ریاست کے طور پر یکجا کرنے کا مطالبہ ایجنٹ سیاسی اور عسکری قیادتوں کی تنگ نظر سوچ سے بہت بالاتر ہے۔ تاہم، یہ وہ دعوت ہے جو وائٹ ہاؤس، امریکی محکمہ خارجہ اور پینٹاگون میں خطرے کی گھنٹی بجاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **«ومن عادى أولياء الله فقد بارز الله بالمحاربة» "اور جو اللہ کے اولیاء (اللہ کے مقرب بندوں) سے دشمنی کرے گا وہ اللہ کے ساتھ دشمنی کرے گا۔"** (حاکم نے معاذ بن جبل سے صحیح روایت کی ہے۔)!

نوید بٹ، ایک ایسے وقت میں، جب امت قیادت کے بحران کا شکار ہے، امت اسلامیہ کے قابل رہنما ہیں۔ نوید بٹ امت کا ایک ہونہار اور متحرک بیٹا ہے۔ وہ ایک انجینئر ہیں جنھوں نے یونیورسٹی آف الینوائے سے ماسٹر ڈگری لے رکھی ہے۔ وہ پاکستان کی ولایہ میں حزب التحریر کے ترجمان ہیں۔ حزب التحریر اسلامی دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سیاسی جماعت ہے۔ نوید بٹ کے قیام خلافت کی دعوت کو پورے پاکستان میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ 11 مئی

2012 سے ان کی جبری گمشدگی کے باوجود، آج تک لوگ خلافت کے موضوع پر ان کے مضامین، انٹرویوز اور ویڈیو کلپس سوشل میڈیا پر شیئر کرتے ہیں۔ اسلامی احکام، معاشیات، عدلیہ، امور خارجہ، تعلیم اور معاشرے میں خاندان کی تنظیم پر ان کے کام نے خلافت کی دعوت کو ایک مبہم نعرے سے ایک واضح، تفصیلی ڈھانچے میں بدل دیا جس کی ایک ایک تفصیل واضح ہے۔ مسلمانوں کی موثر رہنمائی کرنے میں ناکام ہونے کے باوجود پاکستان کے حکمرانوں نے نوید بٹ جیسے رہنما کو اپنے عقوبت خانوں میں قید کر رکھا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، ﴿**إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُوْلَئِكَ فِي الأَذَلِّينَ**﴾ **"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ نہایت ذلیل ہوں گے۔"** (المجادلہ، 58:20)۔ اس کے باوجود پاکستان کے حکمران اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا مظاہرہ نہیں کرتے!

نوید بٹ 11 مئی 2012 سے لاپتہ ہیں، کیونکہ انہوں نے ظالم حکمرانوں کے خلاف کلمہ حق بلند کیا تھا۔ کیا انھیں نوید کو رہا نہیں کر دینا چاہیے تھا جب 4 جنوری 2018 کو پاکستان کے کمیشن آف انکوائری آن انفورسڈ ڈسپیئرنس کے حوالہ کوڈ ColoED ID نمبر P 860- کے ساتھ پروڈکشن آرڈر جاری کیا تھا؟ اس کے باوجود پاکستان کے حکمران اس حکم پر عمل نہیں کرتے کیونکہ وہ امریکہ کی منظوری کے بغیر انگلی اٹھانے کی ہمت نہیں رکھتے۔ ظالم حکمرانوں کے سامنے سچ بولنا جرم نہیں، بلکہ یہ ایک اہم ذمہ داری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **أَلَا لَا يَمْنَعَنَّ أَحَدَكُمْ رَهْبَةُ النَّاسِ أَنْ يَقُولَ بِحَقٍّ إِذَا رَآهُ أَوْ شَهِدَهُ فَإِنَّهُ لَا يُقَرِّبُ مِنْ أَجَلٍ وَلَا يُبَاعِدُ مِنْ رِزْقٍ "لوگوں کا خوف تمہیں حق بات کہنے سے نہ روکے، جب اس کا مشاہدہ کیا جائے یا اسے دیکھا جائے کیونکہ ایسا کرنے سے نہ تو زندگی کی معیاد کم ہوتی ہے اور نہ ہی رزق میں کمی ہوتا ہے۔"** (احمد)۔ یہ نوید بٹ ہی تھے جنھوں نے ایبٹ آباد پر امریکی حملے کی سہولت کاری کرنے پر حکمرانوں کا بغیر کسی خوف کے احتساب کیا۔ یہ نوید ہی تھے جنھوں نے بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) کی اندھی تقلید میں معیشت کی تباہی اور مقبوضہ کشمیر اور فلسطین کے ساتھ حکمرانوں کی غداری کو بھی بہادری سے چیلنج کیا۔

11 مئی 2012 سے نوید بٹ کا جبری اغوا جمہوریت اور آزادی اظہار کے جھوٹ کو بھی بے نقاب کرتا ہے۔ نوید بٹ کے بچے اپنے والد کی سرپرستی، شفقت اور محبت کے بغیر بڑے ہوئے ہیں، صرف اس لیے کہ نوید نے

ریاست، معاشرے اور اجتماعی زندگی کی سطح پر اللہ تعالیٰ کے دین کی پیروی کے لیے آواز بلند کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، **﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُوْلَئِكَ هُمْ الظَّالِممُونَ﴾ "اور جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔"** (المائدہ، 5:45)۔ آسمانوں یا زمین کے کس قانون میں ایسا سیاسی اور مذہبی اظہار رائے جرم ہے؟ در حقیقت، نوید بٹ کا کیس اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ جمہوریت ایک جابرانہ حکمرانی ہے، جو صرف استعمار اور ان کے ایجنٹوں کے مفاد کا تحفظ کرتی ہے۔ کیا اب وقت نہیں آگیا کہ صحافی، انسانی حقوق کے کارکن، وکلا اور علمائے کرام نوید بٹ کی فوری رہائی کا مطالبہ کرنے کے لیے آواز بلند کریں؟ کیا وقت نہیں آگیا کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ تمام احکام کے ذریعے حکومت کو قائم کرنے کے ثواب میں شریک ہوں جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ ایک عظیم فریضہ ہے؟

اے افواج پاکستان کے مسلمانو! نوید بٹ کو 11 مئی 2012 سے اب تک اس لیے جبری گمشدہ ہیں کیونکہ آپ نے ابھی تک اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی۔ نوید بٹ نے مطالبہ کیا کہ آپ نے خلافت راشدہ کے دوبارہ قیام کے لیے اپنی نصرت حزب التحریر کو دیں۔ وہ آج تک اللہ تعالیٰ کی جانب سے عائد کیے گئے فرض پر کھڑا ہے، جب کہ آپ اپنی غفلت میں پڑے ہوئے ہو۔ آپ کب تک گناہ میں رہنا قبول کریں گے؟ جب اللہ تعالیٰ نے خلافت راشدہ کی واپسی کے لیے دنیا کو تیار کر دیا ہے تو آپ کیسے اس گناہ میں رہنا قبول کر سکتے ہیں؟ غزہ کے مسلمانوں کی مزاحمت نے یہودی وجود کی کمزوری اور امریکی عالمی نظام کی بد عنوانی کو بے نقاب کر دیا ہے۔ مسلمانوں کی فوجوں کو روک کر اور امریکہ کے دو ریاستی حل کے ذریعے فلسطین کا بیشتر حصہ یہودیوں کے حوالے کرنے پر آمادگی ظاہر کر کے مسلم دنیا کے حکمران بے نقاب ہو چکے ہیں۔ مشرق اور مغرب کے اصول پسند لوگ غزہ کی نسل کشی سے سخت غم و غصے کا شکار ہیں لہٰذا اس ظلم کے خاتمے پر ان حکمرانوں کے لیے کوئی آنسو نہیں بہائے گا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر آپ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت میں متحرک ہو جائیں تو اللہ، النصیر، اپنا نصر آپ کو عطا فرمائے گا۔ فتنہ کو ختم کرو، ظالموں کو پکڑو، ظلم کا خاتمہ کرو اور اللہ کی رضا حاصل کرو۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لاَ تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ "اور اس فتنہ سے ڈرتے رہو جو ہر گز تم میں خاص ظالموں کو**

ہی نہ پہنچے گا،اور جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔"(الانفال،8:25)۔

فہرست

نُصرة

نصرۃ وہ حکمِ شرعی ہے کہ جس پر آج سیاسی طور پر امت مسلمہ کے مستقبل کا دارومدار ہے کیونکہ نصرۃ کے ذریعے ہی اُس ریاستِ خلافت کا قیام عمل میں آئے گا جو ان غداریوں اور خیانتوں کے طویل سلسلے کا خاتمہ کرے گی جس کا امت کو سامنا ہے، جو اللہ کے نازل کردہ تمام تر احکامات کے ذریعے حکمرانی کا آغاز کرے گی، پوری امت مسلمہ کو ایک ریاست کے سائے تلے وحدت بخشے گی اور دعوت و جہاد کے ذریعے اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک لے جائے گی۔

نصرۃ کی دلیل ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ملتی ہے کہ جب مکہ کا معاشرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جامد ہو گیا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ آپ مختلف قبائل پر اپنے آپ کو پیش کر کے اِن کی حمایت و نصرت طلب کریں۔

پس آپ ﷺ نے ابو طالب کی وفات کے بعد مختلف عرب قبائل کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ مدینہ کے اوس و خزرج قبائل کے سرداروں نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نصرۃ دی اور اس نصرت کے نتیجے میں ہی بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔اور یوں وہ رہتی دنیا تک انصار کے لقب سے پہچانے گئے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کی افواج میں موجود مخلص افسران اپنے انصاری بھائیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلافت کی دعوت کے علمبرداروں کو نصرۃ فراہم کریں، اس کفریہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو اکھاڑ پھینکیں اور ایک خلیفہ ٔراشد کو قرآن وسنت کے نفاذ پر بیعت دیں اور رسول اللہ ﷺ کی اس بشارت کے پورا کریں کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: **«ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ»** "پھر ظالمانہ حکمرانی کا دور ہو گا اور اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہیں گے۔ پھر اللہ اس کو ختم فرما دیں گے جب وہ چاہیں گے۔اس کے بعد نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم ہو گی" (مسند امام احمد)